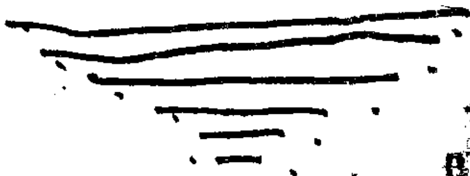


ہمسفر کارواں
و
نقش محمود

10. 9. 1996



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باغِ ملت کی صدائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد
اُٹھ بزرگوں کی صدائیں کر رہی ہیں تجھ کو یاد

میرِ کارواں

حضرت مولانا مفتی محمودؒ

ایک تاریخ، ایک تحریک، ایک تجزیہ۔

نور عالم قریشی ایڈوکیٹ ملتان

فون نمبر ۳۳۱۲۰

فون نمبر رہائش ۳۱۸۳۶

تعداد ۱۰۰۰

قیمت 30/=

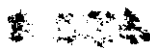
کتابت عبدالستار سرانی ملتان

انتساب

تحریک نظام مصطفیٰ

کے

شہیدوں کے نام



انسان مرجاتا ہے

لیکن

کتاب اُسے زندہ رکھتی ہے۔

مر گئے ہم تو زمانہ نے بہت یاد کیا

عظیم انسان کی یاد

انسان کا نام اس کے کام سے ہے۔ آج جو ہم مرحوم کو یاد کر رہے ہیں تو کیا ان کی اولاد اور مکانات اور جاہ و ثروت کی وجہ ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ سب آنی جانی چیزیں ہیں بلکہ ان کے کریکٹر اور کام کی وجہ سے اور ہم کیا یاد کر رہے ہیں۔ ان کا کریکٹر اور کام خود ہمیں ان کی یاد دلا رہا ہے۔

(بابائے اردو مولوی عبدالحق)

کچھ اس کتاب کے بارے میں

میں نے مفتی محمودؒ کو قریب سے دیکھا، جانچا اور پرکھا میں نے ان میں جو کچھ پایا وہ اس کتاب میں لکھ دیا ہے اور پوری ذمہ داری سے لکھا ہے۔

مفتی محمودؒ کی یہ تاریخ افسانہ آرائی یا مبالغہ آمیزی نہیں ہے بلکہ ایک مسلمہ حقیقت ہے اور عوام کے سامنے ان کی پوری زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے آپ کو احساس ہو گا کہ آپ ایسے محب وطن سیاست دان اور دینی راہنما سے ہم کلام ہیں جو ہمیشہ سیاست کو عبادت سمجھتا تھا انہوں نے ضعیف العمری اور بیماری کے ایام میں معاشرہ کی اصلاح اور سدھارنے کے لئے دن رات کام کیا۔ یہ ایک ایسے شخص کے سوانحی افکار ہیں جس نے ہر دور کے ابوجہل سے ٹکر لی یہ کتاب حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر مشتمل ہے ان کی سیاسی اور دینی اہمیت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ لہذا کتاب ہذا نئی نسل اور سیاسی کارکنوں کے لئے راہنما ثابت ہو سکتی ہے۔

کوئی قوم بھی اپنے اسلاف کی تاریخ کو بھلا کر زندہ نہیں رہ سکتی، سیاسی اور مذہبی راہنماؤں کا کردار ان کے ماضی کے پس منظر میں دیکھا جا سکتا ہے اس وقت جو لیڈر تاریخ ساز کارنامے سرانجام دے چکے ہیں وہ دنیا میں موجود نہیں ہیں مگر ان کا تاریخی ورثہ ان کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔

اس کتاب میں مفتی محمود صاحب کے اہم واقعات اور انکشافات موجود ہیں جو اس سے پیشتر اخبارات اور رسالوں میں شائع نہیں ہوئے۔

مفتی بصوت خط و کتابت، مفتی محمود اور شیخ مجیب الرحمٰن کی گفتگو، رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل شیخ محمد علی الحرکان کی سہالہ جیل میں مفتی محمودؒ سے ملاقات،

انقلابی شاعر جناب حبیب جالب کی غیر مطبوعہ نظم، حضرت مولانا اسعد مدنی کا ہدیہ عقیدت، قومی اسمبلی کے سابق سپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان کی جیل میں ان سے ملاقات، صوبہ سندھ کے سابق گورنر میر رسول بخش تالپور کا اظہار تعزیت اور مفتی صاحب کے بارے میں ان کے تاثرات، مفتی محمودؒ صاحب کی مشہور تقریر جو پارلیمنٹ میں کی گئی جو ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ مفتی صاحب کی ملتان جیل کی کہانی، اس کے علاوہ ان کی اہم اور ڈھکی چھپی باتیں کتاب ہذا میں تحریر کی گئی ہیں۔

یہ کتاب مفتی محمودؒ کی زندگی اور ان کے کارناموں پر مشتمل ہے انہوں نے اندرون ملک اور بیرون ملک اپنی اہمیت کے جو اثرات مرتب کئے وہ پاکستان کی تاریخ کا بیش قیمت ورثہ ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے افکار و نظریات دائمی حیثیت رکھتے ہیں جن کی افادیت اور اہمیت گردش زمانہ کوئی کمی نہ کر سکے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں کہ انہوں نے جمہوریت کی بحالی، انسانیت کی بقاء کے لئے جو جدوجہد کی اسے رائیگاں نہیں جانے دیں گے اور ان کے تاریخی اور سیاسی ورثہ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں گے۔

پیش لفظ

حضرت مولانا مفتی محمودؒ سیاسی جدوجہد کی ایک مختصر زندگی گزار کر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انہیں زندگی کے ہر محاذ پر کامیابی نصیب ہوئی زندگی کے آخری ایام میں مفتی صاحبؒ کا ان لوگوں نے ساتھ چھوڑ دیا جنہوں نے ان کے نام پر اپنی دوکانداری چمکائی تھی۔ وہ کچھ دن اور بھی جی سکتے تھے مگر آخری دنوں میں کچھ ایسے واقعات پیش آئے جن سے وہ دل برداشتہ ہوگئے۔ اقتدار پسند اور مفاد پرست مولویوں نے ان کے ساتھ بے وفائی کی اور یہی صدمہ ان پر غالب آگیا، وہ درحقیقت علماء کرام کو ان کا صحیح مقام دلانا چاہتے تھے جس کے وہ مستحق ہیں۔

وہ عصر جدید کے عظیم لیڈر، اہل فکر اور روشن خیال انسان تھے، انہوں نے سیاست میں غیر جمہوری اور غیر اسلامی رجحانات کو روکنے کے لئے بھرپور جدوجہد کی انہوں نے قومی شعور اور سیاسی بیداری پیدا کرنے میں انقلابی کردار ادا کیا اس طرح وہ سیاست کی دنیا میں ایک طاقت ور شخصیت بن کر ابھرے اور اپنی سیاسی بصیرت کی بنا پر پورے ملک میں چھا گئے۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ ابوالکلام آزاد کی اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ اسلام کسی حال میں جائز نہیں رکھتا کہ مسلمان آزادی کھو کر زندگی بسر کریں۔ مسلمانوں کو مٹ جانا چاہیئے یا آزاد رہنا چاہیے، تیسری راہ اسلام میں کوئی نہیں ان کا وجود چراغ تھا جس کی روشنی سے اندھیرے میں بھٹکنے والی قوم اپنا راستہ تلاش کر سکتی تھی۔ وہ کروڑوں مسلمانوں کی حریت و فکر کی علامت تھے ان کی پوری زندگی آمریت اور فسطائیت کے خلاف جنگ لڑتے میں گزری مفتی محمود نے ظالم حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور کبھی بھی مخالف طاقت کے سامنے سپر انداز نہیں ہوئے۔

مغربی تہذیب کے ارتقاء نے عالم اسلام میں جو ذہنی انتشار پیدا کر دیا تھا۔ اس کو رد کرنے کے لئے مفتی صاحب نے انتھک کوشش کی عصر جدید کے نظام اور اسلام کے اعتقادی نظریات کو ہم آہنگ کرنے کے لئے مفتی محمودؒ کی شخصیت بہت مفید اور مؤثر ثابت ہوسکتی تھی۔

وہ پاکستان کے عوام کے مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے میں خوب خوب تجربہ رکھتے تھے ان کا مطمح نظر بہت وسیع تھا گہری بصیرت اور سوچ فکر کے ساتھ سیاسی محرکات و اسباب کا صحیح اندازہ لگا لیتے تھے۔

انہوں نے تمام عمر کفر و الحاد، مفاد پرستی، خود غرضی اور اقتدار پرستی کے خلاف جہاد کیا۔ ان کی عظمت کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ انہوں نے تعلیم یافتہ اور ذہین طبقے کو مغربی تہذیب اور لادینی نظریات سے چھٹکارا دلانے کے لئے ایک فکری اور اخلاقی نظام حیات پیش کیا جو ان کو مغرب کے بڑھتے ہوئے اثرات سے محفوظ رکھ سکے لہذا ہم دیانتداری سے کہہ سکتے ہیں کہ مفتی صاحب ایک طرف دین کے داعی اور دوسری طرف سیاست کے امام تھے ان کی تعلیمات اور افکار مستقبل کے لئے نشان راہ ہے وہ اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہیں مگر ان کے خیالات اور نظریات صدائے بازگشت بن کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلتے رہیں گے۔ دنیا کی کوئی طاغوتی اور لادینی طاقت ان کے افکار و نظریات کا راستہ نہیں روک سکتی۔ وہ دین کو اپنی ضرورت اور سیاست کو اپنی آبرو سمجھتے تھے۔ وہ یادوں کا خزانہ چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگئے۔

اسلام کی تاریخ کے ہر دور میں ایسے عالی ہمت اور عظیم المرتبت انسان پیدا ہوتے جنہوں نے اپنے وقت میں انبیاء کی جانشینی کا پورا پورا حق ادا کیا اور مسلمانوں کی سیاسی اور ذہنی طور پر نشو نما کی۔

پاکستان یا عالم اسلام میں جب کبھی بھی کوئی خطرہ پیش آیا تو مفتی صاحبؒ

جیسے مرد مجاہد میدان میں آئے اور اسلام دشمن طاقتوں کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے انگریزی تعلیم یافتہ طبقوں کو عملی طور پر یہ ثابت کر کے دکھایا کہ مولوی ہر میدان میں قیادت کے فرائض انجام دے سکتا ہے بقول جگر مراد آبادی ؎

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

آخر میں میں اپنی کم علمی کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں نہ ادیب ہوں نہ صحافی۔ اس لئے میں نے کتاب میں عام فہم زبان استعمال کی ہے اگر اسلوب بیان اور طرز تحریر میں کوئی غلطی نظر آئے تو میں اس کی اصلاح کا طلب گار ہوں۔

نور عالم قریشی ایڈووکیٹ
ڈسٹرکٹ کورٹ ملتان

حبیب جالب

مفتی محمود

عالم با عمل سیاست داں　اُس سے لرزاں ہر اک دروغ بیاں

نام کو بھی نہ اپنی ذات کا غم　اجتماعی مفاد پر قرباں

آسماں جاہ اور فرش نشیں　ایسے درویش کی مثال کہاں

دردمندوں کے ساتھ ساتھ مدام　زر پسندوں سے دور دور رواں

سعی پیہم کہ ہو وطن آزاد　نہ رہے آمروں کا نام و نشاں

اُس کا منشا ہماری آزادی　اس کی منزل نہ تھے بلند ایواں

ہم سے رندوں کی بھی پذیرائی　طبع پر ہم کبھی ہوئے نہ گراں

اتحاد اس کی آخری کوشش　یہی کوشش ہے درد کا درماں

بکنا جھکنا نہ تھا شعار اس کا

چھن گیا ہائے ہم سے کیا انسان

آغازِ سخن

وقت کروٹیں بدلتا رہتا ہے حالات تبدیل ہوتے رہتے ہیں لیکن ایسے انسان دنیا میں بہت کم پیدا ہوتے ہیں جن کی زندگی دوسروں کے لئے بہت بڑا سہارا ہوتی ہے ایسی عظیم ہستی دنیا میں بار بار جنم نہیں لیتی بلکہ کہیں صدیوں میں جا کر ایسی شخصیتیں پیدا ہوتی ہیں۔

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جب مسلمانوں کا کارواں تعطل، بدنظمی اور جمود کا شکار ہو جاتے تو ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مفتی محمودؒ جیسے باہمت اولوالعزم اور باکمال لوگ پیدا کر دیتا ہے جو کارواں کے لئے میر کارواں ثابت ہوتے ہیں اور یہی لوگ تاریخ ساز قیادت کو جنم دیتے ہیں ایسی عظیم ہستیاں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا عطیہ ہوتی ہیں۔ تاریخی شخصیتوں میں ہر شخص کا اپنا ایک محبوب کردار ہوتا ہے جو مرنے کے بعد بھی ہمیشہ اسے زندہ رکھتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود بہت سی خوبیوں کے مالک تھے جو خود تو اس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن اپنے پیچھے خوش گوار اور سہانی یادیں اور خوبصورت باتیں چھوڑ گئے ہیں۔

مولانا مفتی محمودؒ کا بے مثال سیاسی کردار ان کی شخصیت کا آئینہ دار ہے اس تاریخی کردار انہیں مرنے کے بعد بھی زندہ رکھا۔ انہوں نے قوم کو نامساعد حالات اور مشکل وقت میں انقلابی قیادت فراہم کی اور آڑے سے آڑے وقت میں بھی انہوں نے اپنے آپ کو ایک عظیم اور محب وطن رہنما ثابت کیا۔ مفتی صاحب کی سیاسی تاریخ آئینہ کی

طرح پوری قوم کے سامنے ہے کہ انہوں نے نازک اور آزمائش کے لمحات میں بھی کبھی اصولوں پر سودے بازی نہیں کی، انہوں نے انتہائی مشکل حالات اور سیاسی بحران میں اپنے آپ کو عظیم قائد اور رہنما ثابت کیا۔

پاکستان میں ان کی شخصیت ایسے حالات ناگریز تھی جب کہ پورے ملک میں صحیح قیادت کا فقدان ہے، ہر طرف عصبیت اور فرقہ واریت کے جراثیم پرورش پا رہے ہیں، ایسے حالات میں ان کا وجود خاص کر چھوٹے صوبوں کے لئے خاص اہمیت رکھتا تھا، وہ ملک کے واحد سیاست دان تھے جن کی آواز پنجاب، سندھ، سرحد، اور بلوچستان میں ایک قومی لیڈر کی حیثیت سے سُنی جاتی تھی،

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایسے حالات پیدا کیئے گئے جس کی وجہ سے سیاسی جماعتیں باہمی انتشار کا شکار ہوگئیں، سیاسی جماعتوں کا ایک دوسرے سے برسرِپیکار ہونا ملک اور قوم کے لئے نقصان تھا، جمہوریت کے لئے اِن خطرات کا مقابلہ کرنا ناگریز تھا چنانچہ ایسے نامساعد حالات میں مفتی محمود نے بکھری ہوئی سیاسی قوتوں کو یکجا کر کے ایک پلیٹ فارم پر متحد کیا، اس طرح مفتی محمودؒ نے سیاسی جماعتوں کے سامنے ایک ٹھوس فارمولا پیش کیا تاکہ ملک سے سیاسی تعطل اور بحران ختم کیا جائے لہٰذا تمام سیاسی جماعتوں نے متفقہ طور پر مفتی صاحب کی قیادت پر مکمل اعتماد کیا اور تحریک نظام مصطفٰے کے دوران انہیں اپنا قائد اور رہنما تسلیم کیا۔ اس طرح مفتی صاحب نے اپنی سیاسی بصیرت اور مؤثر قیادت کی وجہ سے قوم کو ایک بہت بڑا سہارا دیا۔

پاکستان کے عظیم سیاست دان، محب وطن رہنما، جیّد عالم دین بلند پایہ مقرر اور نظام مصطفٰے کی تحریک کے ہیرو راہی ملک عدم ہوئے یہ سانحہ عظیم ایسی قوم میں واقع ہوا ہے، جہاں پہلے ہی قحط الرّجال ہے، ایسی موت پورے ملک و ملّت کے لئے قیامت ہے۔

وہ ایک تجربہ کار سیاست دان اور مذہبی رہنما تھے جن کی وفات سے نہ صرف پاکستان کے عوام بلکہ عالم اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے ان کی وفات سے زندگی کا ہر شعبہ ماتم گسار ہے ان کی شخصیت سیاسی اور دینی قدروں کا سنگم تھی، وہ اپنے لواحقین اور سوگواروں کے علاوہ ایک تاریخ چھوڑ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں دینی اور سیاسی علم عطا کیا ہوا تھا، قدرت نے انہیں ایسا دماغ دیا تھا کہ وہ آنے والے سیاسی حالات اور واقعات کو اچھی طرح بھانپ لیتے تھے انہوں نے اپنے آپ کو نہ صرف عالم دین بلکہ ایک عظیم سیاست دان اور محب وطن لیڈر کی حیثیت سے دنیا کو متعارف کرایا۔

انہوں نے اپنی بصیرت افروز اور فکر انگیز تقریروں اور انتھک جدوجہد سے سوئی ہوئی قوم کو بیدار کیا۔ ان کی پوری زندگی احکامات خداوندی اور سنت رسول کے مطابق بسر ہوئی۔ وہ اپنی درویشانہ زندگی کی وجہ سے سیاسی حلقوں اور مختلف فرقوں میں یکساں مقبول تھے۔ وہ انکساری اور سادگی میں اپنے اسلاف کی سچی تصویر تھے۔ انہوں نے ہمیشہ تنگ نظری اور تعصب سے بالاتر ہو کر ملک میں بکھری ہوئی سیاسی قوتوں کو یکجا کیا، انہوں نے ہر آنے والے آمر کے خلاف ملک گیر جدوجہد کی اور زندگی میں بہت دفعہ انہیں جیل جانا پڑا اس طرح انہوں نے اپنے سیاسی اور جمہوری نظریات کی خاطر کسی قسم کی قربانی دینے سے گریز نہیں کیا۔ ان کی موت سے قوم میں ایک گہری مایوسی پیدا ہو گئی ہے خاص کر ایسے حالات میں جہاں ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے اور چاروں طرف مایوسی کے بادل چھائے ہوئے ہیں ایسے حالات میں ان کا دنیا سے اٹھ جانا پاکستان کی تاریخ کا ایک بہت بڑا المیہ ہے ان کی باتیں لوک گیت کی طرح عوام کی زبانوں پر ہیں۔ وہ خود تو دنیا سے رخصت ہو گئے مگر ان کی رفاقت اور محبت کی یادیں باقی رہ گئی ہیں۔

کتنی رفاقتوں کے کھائے ہیں زخم دل پہ
کتنی محبتوں کا ماتم کیا ہم نے
صوفی تبسم

وہ آخری دم تک اپنے سیاسی نظریات پر قائم رہے انہوں نے ہر قسم کے خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کیا، وہ سختی سے اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور ان میں ذرا سی بھی لغزش نہیں آئی ان کے افکار و نظریات میں پختگی پائی جاتی تھی وہ پاکستان کے ان سیاست دانوں کی طرح نہیں تھے جن کے نظریات موسم کی طرح بدلتے رہتے ہیں، وہ ہمیشہ اپنے جمہوری موقف پر قائم رہتے اور مخالف لوگوں کو دلائل سے سمجھاتے یہ ان میں بہت بڑی خوبی تھی کہ وہ اپنی بات کسی دوسرے پر زبردستی مسلط نہیں کرتے تھے بلکہ گفت و شنید اور افہام تفہیم سے سمجھاتے، محفل میں ہر شخص کو بولنے اور تنقید کرنے کا موقع دیتے تھے وہ اپنی بات کو کھرے الفاظ میں بیان کرتے تھے۔

ہمارے ملک کے سیاست دانوں میں یہ بہت بڑی کمزوری دیکھی گئی ہے۔ کہ پبلسٹی اور سستی شہرت کے پیچھے دوڑتے ہیں اور اکثر یہ دیکھا گیا ہے بہت سے لیڈر اخباری نمائندوں اور پریس فوٹو گرافروں کے ساتھ ذاتی تعلقات اور دوستی رکھتے ہیں تاکہ پبلسٹی ملتی رہے اور سیاست چمکتی رہے مگر مفتی محمودؒ صاحب میں یہ بات نہیں تھی میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا وہ کبھی بھی کسی قسم کی پبلسٹی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے یہی ایک اچھے سیاست دان کی خوبی ہے۔ ان کی قلندرانہ اور درویشانہ زندگی کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ انہیں دولت اور شہرت سے سخت نفرت تھی ورنہ وہ چاہتے تو اس قدر شہرت حاصل کر سکتے تھے جو دوسروں کی قدرت سے باہر ہے، انہوں نے اقتدار اور دولت پر حقارت سے نگاہ ڈالی اور مستانہ وار ٹھکرا کر چلے گئے، ملٹن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "شہرت انسان کا

فطری ضعف ہے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا سکتا اس سے بچنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ مولوی عبدالحق نے کہا ہے کہ بہت سے ہیں جو محض نام و نمود کے لئے زمین و آسمان ایک کر دیتے ہیں۔ اور شہرت یا نام و نمود حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کر گزرتے ہیں اور آخر بڑے آدمی بن جاتے ہیں لیکن کم ہیں جو محض اپنی لیاقت، محنت اور خلوص کے ساتھ کام کر کے عزت اور بڑائی حاصل کرتے ہیں یہ بڑائی پائیدار ہوتی ہے۔"

آپ نے علماء کرام کی بکھری ہوئی قوتوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کی سر توڑ کوشش کی۔ مختلف مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء میں اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کی سعی کی۔ آپ علماء کرام کو معاشرہ میں وہ مقام دلانا چاہتے تھے جس کے وہ صحیح معنوں میں مستحق ہیں آپ نے سیاست اور مذہب کو عملی طور پر یکجا کر کے دکھایا اور اپنی موثر قیادت کی وجہ سے سیاسی اور دینی حلقوں میں شہرت حاصل کی انہوں نے عملی طور پر یہ ثابت کر کے دکھایا کہ چٹائی پر بیٹھنے والا مولوی نہ صرف مسجد میں امامت کر سکتا ہے بلکہ وہ حکومت کرنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ انکساری اور سادگی میں اپنے اسلاف کا نمونہ تھے۔ وہ سادہ لباس پہنتے، سادہ کھانا کھاتے اور کارکنوں سے بڑی بے تکلفی سے پیش آتے تھے۔ ان کے چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ، متانت اور سنجیدگی رہتی تھی۔ وہ وفات سے چند منٹ پہلے بہت خوش و خرم نظر آرہے تھے اور کسے پتہ تھا کہ ملک کا نامور لیڈر اور عصر حاضرہ کا مفکر اچانک کارکنوں کی آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو جائے گا۔

وہ درس و تدریس کے وقت بھی چٹائی پر بیٹھتے اور وزارت اعلیٰ کے وقت بھی چٹائی پر بیٹھ کر سرکاری محکموں کو احکام خداوندی جاری کرتے۔

ان میں خداداد صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں سیاست کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اقتدار کی بلندیوں پر پہنچ گئے۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی سیاسی جد وجہد سے جمعیت علماء اسلام ملک کی ایک
بہت بڑی سیاسی جماعتوں میں شمار ہونے لگی ۔ انہوں نے دوسری سیاسی پارٹیوں
کے مقابلے میں اپنی جماعت کو صف اوّل پر لا کھڑا کیا انہوں نے جماعت میں انقلابی نظریات
پیش کیئے جن کی وجہ سے جماعت میں جان پڑ گئی ۔ انہوں نے پارٹی کے لئے
ایک ایسا منشور اور پروگرام پیش کیا جن کی بنا پر انہیں سیاسی حلقوں میں خاص مقبولیت
حاصل ہو گئی تھی ۔

جماعتی تشخص کو برقرار رکھنے کے لئے آپ نے انتھک سیاسی جد وجہد کی بیماری کے
ایام میں بھی آپ نے ملک کے تمام لیڈروں کا دورہ کیا اور ملک کے عوام کو جمعیت علماء اسلام
کے پلیٹ فارم پر لانے کی دعوت دی ۔ پاکستان کے قریہ قریہ آپ جمعیت کا پروگرام
لے کر گئے ۔ عوامی رابطہ کی مہم میں آپ نے دوسرے لیڈروں کی نسبت ملک میں سب سے
زیادہ دورہ کیا لوگوں کو آپ سے والہانہ عقیدت تھی ۔ جہاں کہیں بھی آپ گئے عوام نے
آپ کو خوش آمدید کہا ۔ آپ نے ہمیشہ کارکنوں کے جذبات کو مدنظر رکھا اور کبھی بھی
کارکنوں کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچائی سخت سردی ، گرمی ، بیماری اور رسوائی کی
پرواہ کیئے بغیر آپ نے ملک کے تمام علاقوں کا دورہ کیا ۔

مغربی پاکستان کے علاوہ آپ نے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کا بھی اچھی طرح
سے دورہ کیا تھا ملک گیر جماعت ہونے کی وجہ سے آپ نے ملک کے تمام صوبوں کے
لوگوں سے عوامی رابطہ قائم کیے رکھا ۔

۱۹۶۲ء آپ ایک وفد کی صورت میں مشرقی پاکستان کا دورہ کیا وہاں آپ نے
ڈھاکہ ، چٹاگام ، داش ہزاری ، گھاس باڑی ، سلہٹ ، برہمن ، باڑیہ اور کیوترہ کے
مقامات کا دورہ کیا اور جمعیت علماء اسلام کے نصب العین اور منشور سے وہاں کے
عوام کو متعارف کرایا ۔

آپ کے سیاسی کارناموں کی وجہ سے جمعیت علماء اسلام ملک اور بیرون ملک مقبول ہوئی لہذا آپ نے اسی طرح بیرون ملک کا بھی دورہ کیا جس میں مشرق وسطیٰ یورپ اور دوسرے ممالک قابل ذکر ہیں۔ خارجہ پالیسی سے آپ کو بے حد دلچسپی تھی اور خدا کے فضل وکرم سے آپ خارجی امور میں کافی معلومات رکھتے تھے، بیرون ملک آپ لوگوں کے سوالات کا جواب تسلی بخش دیتے تھے۔

پاکستان کے تقریباً تمام عوام سے آپ نے سیاسی رابطہ پیدا کیا آپ ملک کے جس حلقے اور جس خطہ میں گئے لوگوں نے آپ کو سروں پر اٹھایا۔ آپ نے دورہ کرتے وقت یہ کبھی نہیں دیکھا کہ میں دیہات میں جا رہا ہوں یا شہر میں آپ جمعیت کا پیغام لے کر ملک کے گوشے گوشے میں گئے ہر جگہ عوام نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ پاکستان میں ان کا شمار صف اوّل کے سیاست دانوں میں ہوتا ہے انہوں نے حالات کے ساتھ کبھی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ اصولوں کی خاطر آمروں سے جنگ لڑی، وہ ان سیاست دانوں میں سے نہیں تھے، جو ہمیشہ آنے والے حکمرانوں کے جوتے کا تسمہ بنتے رہتے ہیں اور اقتدار کی چوکھٹ پر سر جھکاتے رہتے ہیں۔

مفتی محمود سیاست کے میدان میں ناقابل تسخیر قوت بن کر عوام کے سامنے آئے، ان کی سیاسی جدوجہد کی پوری تاریخ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے۔ انہوں نے کبھی بھی حکومتوں کے ساتھ سودے بازی نہیں کی انہوں نے ہمیشہ جمہوریت اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا ملکی اور بین الاقوامی امور میں آپ مہارت رکھتے تھے۔

جہاں تک مفتی صاحب کی خارجہ پالسی کا تعلق ہے وہ امریکہ سامراج کو ازلی دشمن سمجھتے تھے، ان کی پوری سیاسی زندگی سامراج کی مخالفت کرنے میں گزر گئی، چونکہ سامراجی دشمنی مفتی صاحب کو اپنے اکابر کے ورثے میں ملی تھی اس لئے وہ

تمام سامراج اور انکے ایجنٹوں کے خلاف جدوجہد کرتے رہے۔

ان کے اکابر بھی برصغیر کو آزاد کرانے کے لئے انگریزوں اور ان کے گماشتوں سے ہمیشہ برسرپیکار رہے۔ اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ، حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتویؒ، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، اور مولانا محمد علی جالندھریؒ ان اکابرین دیوبند نے انگریز سامراج اور ان کے گماشتوں کے خلاف تمام عمر جہاد کیا۔ اسی طرح مفتی صاحبؒ نے اپنے اسلاف کی تاریخ کو زندہ رکھتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلے، ان کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ تمام عمر سچائی اور اصولوں کی خاطر لڑتے رہے، انہوں نے بزرگانِ دین کی تعلیم اور نصب العین کو اپنائے رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے اسلاف کی شاندار روایات کو زندہ رکھتے ہوئے ان کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اور آخری دم تک سامراجی قوتوں اور عوام دشمن طاقتوں سے لڑتے رہے یہی ان کی عظمت اور کامیابی کی شاندار مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمِ دین کی دولت عطا فرمائی تھی، قرآن، حدیث، تفسیر فقہ، سب علوم پر ماہرانہ عبور رکھتے تھے خصوصاً حدیث کے درس وتدریس میں آپ کو کمال حاصل تھا، فارسی، عربی اور اردو زبانیں بلاتکلف لکھتے اور بولتے اور پڑھتے ان کا علم اس قدر وسیع تھا اگر انہیں چلتا پھرتا دائرۃ المعارف کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا ان کی باتیں بصیرت افروز اور دلچسپ ہوتی تھی ان کی گفتگو میں ٹھہراؤ اور بحث میں نکات ہوتے تھے، جو عمر بھر کے مطالعہ اور کتابوں کے کھنگالنے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتے تھے. جس دینی اور سیاسی مسئلے پہ بحث کرتے تو معلوم ہوتا گویا اس فن کے مجتہد ہیں انہوں نے اپنے مخالفوں سے اپنی عظمت اور قابلیت کا لوہا منوایا ہر موضوع پر ایک مخصوص اور نپے تلے انداز میں بحث کرتے۔

علمی اور دینی مجلسوں میں بلاتکلف ہر موضوع پر برجستہ اظہار خیال فرماتے آپ کی عالمانہ اور فقیہانہ گفتگو سے ہر شخص اچھا تاثر لے کر اٹھتا۔ آپ کی علمی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، آپ نے کم وبیش پچیس ہزار فتوے جاری کئے قادنیوں کے خلاف ایک کتاب لکھی جو آج کل ترکی کی طرف سے ساری دنیا میں اس کی اشاعت ہو رہی ہے اس کے علاوہ آپ نے ترمذی کی شرح لکھی جو غیر مطبوعہ ہے، آپ نے خدام الدین لاہور کے رسالے میں ملکی اور بین الاقوامی امور پر اداریئے بھی لکھے ہیں جو ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ ہجری بمطابق جنوری ۱۹۱۹ء پیر کی رات کو پاکستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں پنیالہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام (محمد) خلیفہ محمد صدیق تھا۔ آپ کے والد بزرگوار نے شرح جامی، علم فقہ، علم قرات اور دوسرے دینی علوم اپنے پیر و مرشد حضرت احمد گل صاحب سے پڑھے۔ آپ قبیلہ ناصر شاخ یحیی خیل سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد صاحب کا دینی گھرانا تھا اس لئے آپ کی تربیت بھی دینی اور مذہبی بنیاد پر ہوگی۔ والدین نے آپ کا نام محمودؒ رکھا کسے معلوم تھا کہ پنیالہ میں جنم لینے والا بچہ ایک ہمہ گیر سیاسی شخصیت بن کر عالم اسلام میں اپنا نام پیدا کرے گا۔ آپ کے والد گرامی طریقہ نقشبندیہ مجددیہ پر کاربند تھے، وہ افغانستان سے ترک وطن کر کے ڈیرہ اسماعیل خان پنیالہ میں قیام پذیر ہوئے۔ پنیالہ ایک غیر معروف جگہ ہے مگر دنیا میں مفتی محمود کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔

آپ کے والد بزرگوار ۲۴ نومبر ۱۹۵۰ء مطابق ۳ صفر ۱۳۷۰ھ انتقال فرما گئے اور خانقاہ یسین زئی میں دفن ہوئے جب آپ کے والد محترم کا انتقال ہوا تو اس وقت مولانا مفتی محمود ملتان میں تھے۔

آپ نے ایک دینی گھرانے میں آنکھ کھولی تھی گھر کا تمام ماحول دینی تھا اس لئے آپ نے ابتدا ہی سے دین کی تعلیم حاصل کی، گرد و پیش کے حالات نے آپ کی تربیت پر بہت اثر ڈالا۔

مفتی محمود نے حسب روایت نحو منطق، عربی اور فارسی کی کتابیں گھر پر پڑھیں قرآن مجید ناظرہ اور ابتدائی کتابیں اپنے والد محترم اور ماموں جان مولوی شیر محمد صاحب سے پڑھیں بعد ازاں آپ نے میٹرک کا امتحان اپنے گاؤں کے اسکول سے پاس کیا اس کے بعد دینی علوم حاصل کرنے کے لئے

دارالعلوم دیوبند کا رخ اختیار کیا، حدیث آپ نے مدرسہ قاسمیہ شاہی مسجد مراد آباد میں پڑھی حضرت شیخ الہند کے شاگرد رشید حضرت مولانا فخر الدین صاحب آپ کے استاد تھے، آپ تقریباً ۶ سال تک جامعہ قاسمیہ مراد آباد میں زیر تعلیم رہے۔

آپ کو بچپن ہی سے سیاست کا شوق اس لئے آپ نے طالب علمی کے زمانے سے ۱۹۳۷ء میں سیاست میں حصہ لینا شروع کیا ۱۹۳۵ انڈیا ایکٹ کے تحت ۱۹۳۷ء میں ہندوستان میں انتخابات ہو رہے تھے تو اس وقت آپ نے جمعیت علماء ہند کی انتخابی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس وقت آپ نے مختلف مقامات پر پیدل سفر کیا اور سیاسی تجربات سے فائدہ اٹھایا۔

ہندوستان اس وقت سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا، ایجیٹیشن زوروں پر تھا مختلف نظریات رکھنے والی سیاسی جماعتیں عوام کے سامنے اپنا اپنا پروگرام پیش کر رہی تھیں ایسے حالات میں حضرت مولانا مفتی محمود نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا، اس وقت کے سیاست دانوں اور دینی رہنماؤں سے کافی استفادہ حاصل کیا۔

برصغیر میں اس وقت علماء دیوبند اور احرار کے جوشیلے لیڈر ملکی سیاست پر چھائے ہوئے تھے ہر محاذ پر علماء دیوبند کا طوطی بول رہا تھا، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جن کی قیادت میں مولانا مفتی محمودؒ نے تربیت حاصل کی تھی انہی کے فیوض و برکات کا نتیجہ تھا جس کی وجہ سے آپ کی عہد ساز شخصیت ابھری، گرد و پیش کے حالات اور بزرگان دین کی صحبت سے آپ کے اندر سیاسی شعور پیدا ہوا سیاست کے نشیب و فراز اور سفر کے حالات اور واقعات نے آپ کے نظریات میں پختگی پیدا کی لہذا جہاں آپ کو ایک بہت بڑا عالم دین تسلیم کیا گیا ہے وہاں آپ کو ایک منجھے ہوئے سیاست دان کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔

۱۹۴۲ء میں آپ اپنے وطن واپس لوٹے آپ نے یہاں آکر سیاسی سرگرمیوں

بیں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کیا چونکہ آپ کو اس صدی کے بڑے عالم دین کی شاگردی
کا شرف حاصل تھا اور آپ کی سیاسی تربیت بھی انہی کے زیر اثر تھی اس لئے آپ
پاکستان میں اپنے اسلاف کے سیاسی و دینی نظریات کا پرچار کیا اس طرح آپ نے اپنی
سیاسی شخصیت کو ابھارا۔ آپ اپنی شب و روز کوششوں کی وجہ سے بہت جلد مقبول
ہونے لگے آپ کی سیاسی سرگرمیوں کا دائرہ اتنا وسیع ہوگیا کہ آپ بہت جلد ہی صوبہ
سرحد کی مجلس عاملہ کے ممبر اور آل انڈیا جمعیت علماء اسلام کے کونسلر منتخب ہو
گئے ۔ ۱۹۴۳ء میں آپ نے حضرت مدنیؒ کے ساتھ سرحد کا دورہ کیا۔

آپ اپنی سیاسی بصیرت اور خداداد قابلیت سے سیاست کے میدان میں بہت جلد
وہ مقام حاصل کر لیا جو اتنی عمر میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے ۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا
جمعیت علماء کی تاریخی کانفرنس میں سہارنپور میں سرحد کے نمائندے کی حیثیت سے
شریک ہوئے ۔

قیام پاکستان کے بعد مدرسہ قاسم العلوم سے منسلک ہو گئے یہاں آپ نے
اپنی محنت اور قابلیت سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا آپ کی تنظیمی اور
تعلیمی قابلیت سے مدرسہ قاسم العلوم کی ترقی میں اضافہ ہوا ۔ آپ کے فیضان نظر
سے ہزاروں طلباء فیض یاب ہو کر جید عالم دین ، مدرس ، مفسر ، محدث اور مبلغ
بن کر پورے ملک میں پھیل گئے ۔

۱۹۵۳ء مولانا مفتی محمود ختم نبوت کی تحریک میں ایک عام مولوی کی حیثیت سے ملتان جیل گئے اس وقت مفتی محمود کی شخصیت اتنی نمایاں نہیں تھی اور کسے معلوم تھا کہ آج جانے جیل والا شخص مستقبل میں ملک کے کروڑوں عوام کا محبوب رہنما اور عظیم قائد ہو گا۔

سیاسی کارکن جیل جانے کے بعد کندن بن جاتا ہے جب تک آدمی جیل نہ جائے اس وقت تک صحیح لیڈر نہیں بن سکتا۔ اس طرح مفتی صاحب نے اپنے اسلاف کی تاریخ کو زندہ رکھتے ہوئے جیل جانا پسند کیا۔

۱۹۵۳ء میں مرزائی نواز انتظامیہ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ شخص حکومت کے لئے خطرناک ہے اور پورے پاکستان اور خاص کر صوبہ سرحد میں مفتی صاحب کی وجہ سے تحریک کو تقویت پہنچے گی لہذا اس وقت کی پولیس نے چوک شہیدان سے ریلوے روڈ پر مفتی صاحب کو گرفتار کر لیا۔ اس وقت مفتی صاحب لوگوں کے ہجوم میں گھرے ہوتے تھے۔ یہ مفتی صاحب کی ملتان میں پہلی گرفتاری تھی۔ اس طرح ان کی مقبولیت اور سیاسی عروج کا آغاز ملتان کی سرزمین سے ہوا۔

تحریک ختم نبوت کا دور پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ اس وقت ملک پورا ہنگاموں کی لپیٹ میں تھا ملک کے گوشے گوشے میں مرزائیت کے خلاف مظاہرے ہو رہے تھے۔ ان حالات میں ختم نبوت کے مجاہدوں نے دستے ترتیب دینے شروع کیے۔ ملتان میں سب سے پہلا دستہ حاجی کرامت اللہ سالار انصار الاسلام کی قیادت میں تشکیل کیا گیا

مفتی محمود کی گرفتاری کے دوسرے دن شیخ محمد یعقوب، حکیم انور علی شاہ خواجہ عبدالغفور مرحوم، خواجہ غلام حسن کو تحریک چلانے کی پاداش میں آدھی رات کو گھروں سے گرفتار کر لیا۔

خواجہ عبدالغفور ملتان کی معروف سیاسی شخصیت تھی جو اب اللہ کو پیارے

ہو چکے ہیں ان کا تعلق پی ۔ ڈی ۔ پی سے تھا ۱۹۷۷ء کی تحریک میں وہ راقم الحروف کے ساتھ ڈسٹرکٹ جیل میں رہے ۔

مفتی صاحب کے جیل جانے کے بعد سینکڑوں کی تعداد میں کارکن گرفتار ہو کر جیل آنا شروع ہو گئے ۔ ہر کیمپ میں دس رضاکاروں کی گنجائش رکھی گئی تھی ۔ مفتی محمود صاحب کی بارک میں ۔ خواجہ عبدالغفور مرحوم ۔ مستری دین محمدؒ مرحوم ، حکیم انور علی شاہ ، مولانا عبدالقادر قاسمی ، خواجہ غلام حسن ، حکیم منظور احمد دہلوی ، شیخ محمد یعقوب اور محمد شاہ اکھٹے رہے ،

ابتدا میں ان حضرات کی گرفتاری ۱۶ ایم پی او ض ف کے تحت عمل میں لائی گئی اس وقت انتظامیہ عوام سے اتنی خوفزدہ تھی جیل میں مقدمات کی سماعت کے لئے نور محمدؒ مجسٹریٹ کو مقرر کیا ۔ مختلف گروپوں کو تقریباً تین ماہ ، چھ ماہ ، اور نو ماہ کی سزا کا حکم سنایا ۔ بعد میں تحریک شدت اختیار کر گئی ۔ اور حکومت کا رویہ سخت ہو گیا ۔ اس طرح بعد میں آنے والے کارکنوں کو دو سال قید بامشقت کا حکم سنایا ۔

سیاسی لوگوں کے لئے ان کا اسیری زمانہ ان کی زندگی میں خاص اہمیت رکھتا ہے ، جب مختلف لوگ جیل میں اکھٹے ہو جاتے ہیں تو اس وقت عجیب سی خوشی محسوس ہوتی ہے ۔ کارکنوں کے لئے جیل جانا باعث فخر ہے ۔ جیل کے ایام لیڈر اور کارکن کے لئے ان کی زندگی کا تاریخی حصہ بن جاتے ہیں ۔ جن لوگوں نے مسلمانوں کی آزادی اور جمہوریت کی بقا کے لئے جدوجہد کی انہیں زندگی میں کئی بار جیل جانا پڑا ۔ ایسے لوگوں کے تاریخی کارنامے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہو یا تحریک ختم نبوت ہمارے اسلاف نے ہمیشہ قربانیاں دی ہیں اور قید و بند کی صعبتیں برداشت کیں ۔

مفتی محمودؒ اور ان کے ساتھیوں نے رمضان شریف جیل میں گزارا۔ جیل میں باقاعدہ تیس روزے رکھے۔ مفتی صاحب نماز فجر کے بعد درسِ قرآن دیتے تھے جیل میں مجلس مشاورت تشکیل دی گئی۔ اور اس کا روزانہ اجلاس ہوتا تھا ہر روز حالات حاضرہ پر تبادلہ خیال کرتے تھے ملکی مسائل زیر بحث لائے جاتے تھے اور ان کا حل تلاش کیا جاتا تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد مفتی محمودؒ صاحب قرآن کا درس دیتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ مفتی صاحب نے ڈسٹرکٹ جیل ملتان میں قرآن پاک حفظ کرتے اس طرح مفتی صاحب نے تقریباً پندرہ سپارے جیل میں حفظ کرلیے تھے یہ ان کا روزانہ کا معمول تھا۔ قید میں پورا رمضان گزار دیا مگر ہمت نہ ہاری۔ ایسے عظیم لوگوں کے بارے میں حسرت موہانی نے کیا خوب کہا ہے ؎

مایۂ عشرت بے حد ہے غم قید وفا
میں شناسا بھی نہیں رنج گرفتاری کا
کٹ گیا قید میں ماہ رمضان بھی حسرتؔ
گرچہ سامان سحر کا تھا نہ افطاری کا

جیل میں ایک دفعہ ان حضرات نے فیصلہ کیا کہ ۱۵۱ ضابطہ فوجداری کی ضمانت کرا کے جیل سے باہر چلا جانا چاہیئے مفتی صاحب نے اس فیصلے سے اختلاف کیا اور کہا کہ ہمیں ضمانت نہیں کرانی چاہیئے۔ کیونکہ ہم نے ۱۵۱ ض ف کے جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے لہٰذا ایسے حالات میں ضمانت پر رہا ہونے کا کوئی جواز نہیں ہے مگر دوسرے حضرات ضمانت کرا کے جیل سے رہا ہو گئے۔ لیکن مفتی محمودؒ بدستور اپنے موقف پر قائم رہے اور آخر تک انہوں نے ضمانت پر رہا ہونے سے انکار کر دیا۔

چونکہ مفتی صاحب مضبوط قوت ارادی کے مالک تھے اس لئے انہوں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ وہ ضمانت پر رہا ہو جائیں اس طرح انہوں نے نو ماہ قید تنہائی میں گزارے۔

شدید گرمی اور جیل کے ناقص انتظام کی وجہ سے مفتی صاحب بخار میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے جسم پر پھوڑے پھنسیاں نکل آئیں اور تکلیف کی وجہ سے بے چین رہے مگر ان میں ذرا سی بھی لغزش نہ آئی۔ اس طرح اس مرد درویش نے نو ماہ جیل میں گزارے۔

مفتی محمود نے اپنے ایام اسیری میں یہ ثابت کر دیا کہ ان کے عزائم اور سوچ و فکر میں پختگی ہے جیل کی تنہائی اور جسمانی بیماری انہیں اپنے راستے سے نہیں ہٹا سکی۔ ان کے سامنے ایک مقصد حیات اور نصب العین تھا۔ جس کی خاطر وہ جیل گئے۔ اس طرح ان کی سیاسی مقبولیت کا آغاز ملتان جیل سے ہوا۔

بڑھ جاتا ہے ذوق جرم یہاں ہر سزا کے بعد۔

تحریک کے ابتدائی ایام میں لاہور سے مولانا احمد علی لاہوریؒ اور ملتان سے مولانا محمد علی جالندھری کو گرفتار کیا گیا اور انہیں جیل کیمپ کے قریب کوٹھڑی میں رکھا گیا حضرت مولانا احمد علی لاہوری ملک کی عظیم سیاسی اور دینی شخصیت تھی۔ حکومت وقت ان سے بہت خوفزدہ تھی۔ کیونکہ ملک گیر تحریک کے یہ سرکردہ لیڈر تھے۔ ان کی کوشش اور جدوجہد سے تحریک روز بروز قوت پکڑ رہی تھی۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ انہیں دودھ میں زہر ملا کر پلا دیا تھا جس کی وجہ سے وہ جیل میں سخت بیمار ہو گئے

تھے۔ ان کے بارے میں یہ بات عام تھی کہ حکومت انہیں قتل کرانا چاہتی تھی۔ جیل کے ڈاکٹر نے بھی اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ انہیں دانستہ طور پر دودھ میں زہر دیا گیا تھا۔ جب جیل کے حکام نے یہ دیکھا کہ مولانا احمد علی لاہوریؒ سخت علیل ہو گئے ہیں اور جیل میں کسی وقت بھی دم توڑ سکتے ہیں لہذا حکومت اس طرح انہیں جلد رہا کرنے پر مجبور ہو گئی۔

اس وقت انتظامیہ میں مرزائیوں کا عمل دخل تھا اس لئے وہ چاہتے تھے تحریک چلانے والے سرکردہ لیڈروں کو مختلف طریقوں سے ختم کیا جائے۔

مولانا احمد علی لاہوریؒ اور مولانا مفتی صاحبؒ سے اس وقت کی حکومت بہت خوفزدہ تھی اور یہی حضرات مرزائیوں کے خلاف ملک میں تحریک چلانے میں آگے آگے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں علماء کرام نے ایک عظیم الشان تحریک چلائی اس تحریک میں جمعیت علماء اسلام کے رہنماؤں نے اپنی عوامی قوت کا بھرپور مظاہرہ کر کے یہ ثابت کر دیا پاکستان میں علماء دین ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

مولانا مفتی محمودؒ نے جیل میں سیاسی لائحہ عمل تیار کیا اور تمام منصوبے جیل ہی میں بنائے گئے۔ جب وہ جیل سے رہا ہوئے تو پروگرام کے مطابق ۱۹۵۶ء انہوں نے ملتان میں علماء کا ایک کنونشن بلایا۔ یہ کنونشن ایک خاص اہمیت کا حامل ہے اسی تاریخی کنونشن میں مفتی صاحبؒ اور ان کے قریبی ساتھیوں نے جمعیت علماء اسلام کی داغ بیل ڈالی اس طرح علماء حق کا یہ ٹولہ جمعیت علماء اسلام کی شکل اختیار کر گیا۔

مفتی محمودؒ کی قائدانہ صلاحیتوں اور شب و روز کوششوں سے جمعیت علماء اسلام نے ملکی سیاست میں بھرپور حصہ لینا شروع کیا اس تاریخی کنونشن میں مفتی صاحب نے اپنی صلاحیتوں کو تسلیم کرالیا۔ اور اس طرح مفتی صاحب

سیاست کی بلندیوں پر پہنچے ملتان کا یہ کنونشن جمعیۃ علماء اسلام کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس کنونشن میں باضابطہ طور پر حضرت مولانا احمد علی لاہوری صدر حضرت مولانا مفتی محمودؒ نائب صدر اور مولانا غلام غوث ہزاروی جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے اس طرح سیاست کا یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوا اس وقت ملک میں ۱۹۵۶ء کا دستور نافذ تھا۔ جمعیۃ علماء اسلام کی دستوری کمیٹی نے حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی سرکردگی میں اس دستور کی غیر اسلامی دفعات کو دور کرنے کے لئے عملی طور پر قدم اٹھایا اور آئندہ انتخابات میں بھر پور حصہ لینے کا عہد کیا مگر ۱۹۵۸ء میں جنرل ایوب خاں کے مارشل لاء کی وجہ سے انتخابات نہ ہو سکے لہذا حسب دستور انتخابات کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا اور پاکستان کی روایات کے مطابق سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا اس وقت مفتی محمود صاحب نے نظام العلماء کے نام سے ایک نئی تنظیم قائم کی جو اتفاق سے اب بھی اسی نام سے قائم ہے۔ ایسے حالات میں شاعر ملت علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

خواب سے بیدار ہوتا ہے کبھی محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

جون ۱۹۵۷ء میں مفتی محمود اور ان کے ساتھیوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے شہیدوں کی یادگار منانے کے لئے ایک عظیم الشان جہاد کانفرنس ملتان میں منعقد کی اور پنجاب کی جمعیت علماء اسلام کے اجلاس میں سیاسی امور میں طے کیے گئے۔ اس اجلاس کا کنوینر مفتی محمود کو چنا گیا۔

ایوب خان کا دور حکومت تھا۔ حکومت کی طرف سے پورے ملک میں دس سالہ جشن منانے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں حکومت کی

ہدایت پر ملتان رقص و سرور کی محفل کا انتظام کیا گیا جس میں عریانی اور فحاشی کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ اس وقت مغربی پاکستان کے گورنر جنرل موسیٰ، ملتان کے کمشنر مسٹر حماد رضا اور ڈپٹی کمشنر ڈاکٹر امتیاز تھے چنانچہ ملتان کے رہنماؤں نے رقص و سرور کی محفل کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ایک سیاسی کمیٹی تشکیل دی۔ جس میں ملتان کے دوسرے رہنماؤں کے علاوہ قومی اسمبلی سابق سپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان بھی تھے۔ چنانچہ عثمانیہ مارکیٹ سے شام کے وقت ایک احتجاجی جلوس نکالا مگر موقع پر ہی پولیس نے مفتی محمود، مولوی عرفان احمد انصاری (مسلم لیگ) خان محمد اشرف خان (خاکسار) شیخ خضر حیات، عقیل صدیقی، شیخ عبدالحمید (جماعت اسلامی) خان صادق احسن (مسلم لیگ) شیخ محمد یعقوب (جمعیت علما اسلام) مولوی شریف (جمعیت علماء پاکستان) اور حکیم انور علی شاہ کو گرفتار کر لیا مگر صاحبزادہ فاروق علی خان گرفتار نہیں ہو سکے۔ جب صاحبزادہ فاروق علی خان سے یہ سوال کیا کہ آپ کو دوسرے رہنماؤں کے ساتھ جلوس نکالنے کے الزام میں گرفتار کیوں نہیں کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے ان حضرات نے قانونی پیروی کرنے کے لئے لیگل ڈیفنس کمیٹی کا ممبر بنایا ہوا تھا اس لئے میں نے ایسے موقع پر گرفتار ہونا مناسب نہیں سمجھا۔ ان لوگوں نے مجھے ہدایت کی تھی کہ ہماری گرفتاری کے بعد آپ مہم جاری رکھنا۔ ان گرفتار شدہ رہنماؤں کو سب سے پہلے چوکی لوہاری گیٹ لے جایا گیا جہاں انہوں نے نماز مغرب ادا کی۔ پھر اس کے بعد رات کو تھانہ پرانی کوتوالی میں بند کر دیا رات کوتوالی میں گزاری پھر دوسرے دن ڈسٹرکٹ جیل ملتان میں بند کر دیا۔ اسیری کے ایام مفتی محمودؒ جیل میں درس قرآن دیتے تھے۔ یہ تمام حضرات

نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے۔ امامت مولانا مفتی محمود صاحب کراتے تھے۔ مفتی محمود نے مولانا شریف رضوی کو کئی بار کہا کہ وہ نماز پڑھایا کریں مگر انہوں نے یہ کہا کہ مفتی صاحب بہتر ہیں میں ان کی امامت میں نماز پڑھنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ تقریباً گیارہ روز کے بعد انتظامیہ نے مولانا مفتی محمود اور ان کے ساتھیوں کو جیل سے رہا کر دیا۔ اس وقت جیل کا سپرنٹنڈنٹ باجوہ تھا جو مرزائی تھا۔

صاحبزادہ فاروق علی خان کے مفتی صاحب سے دوستانہ تعلقات تھے جیل کے دوران وہ اکثر ان سے ملنے کے لئے جاتے تھے اور اپنے ہمراہ ان کے لئے کیلے لے جاتے تھے بقول ان کے مفتی صاحب کو کیلے پسند تھے۔ وہ مفتی محمودؒ کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ جب مولانا مفتی محمودؒ اور ان کے ساتھی جیل میں تھے تو صاحبزادہ فاروق علی خان نے کوشش کی کہ وہ کسی طرح جیل سے باہر آجائیں۔ اے۔ کے بروہی صاحب نے فاروق علی خان کو کہا تھا کہ آپ کسی طرح مفتی محمود کو جیل سے باہر لانے کے لئے قائل کریں اور میری طرف سے انہیں پیغام دیں کہ وہ جیل سے باہر آجائیں چنانچہ صاحبزادہ فاروق علی خان اے۔ کے بروہی کا پیغام مفتی صاحب کے پاس لے کر گئے۔

مولانا مفتی محمودؒ نے مخالف فرقوں کو اور مختلف دھڑوں کو اکھٹا کرنے کے لیئے ہر ممکن کوشش کی، ان کی دیرینہ خواہش تھی کہ ملک کے علماء کرام آپس میں متحد ہو کر دین کے لیئے کام کریں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے عملی طور پر کافی کوشش کی۔

ایک دفعہ مولانا محمد علی جالندھری مرحوم مفتی صاحب کو بریلوی مکتب فکر ایک سرکردہ عالم کے پاس لے گئے۔ اس عالم دین نے کہا کہ عبدالنبی کوکب صاحب ہماری جماعت کی پالیسی مرتب کرتے ہیں انہیں کوکب صاحب سے رابطہ قائم کرنا چاہیئے چنانچہ مولانا مفتی محمودؒ نے عبدالنبی کوکب سے رابطہ قائم کیا۔ اور اپنے آنے کا مقصد بتایا کہ ہم "یہ چاہتے ہیں علماء کرام آپس میں اختلافات کرنے کی بجائے متحد ہو کر اسلام کی بقاء کے لیئے کام کریں، اس پر عبدالنبی کوکب نے کہا کہ ہم آپ کے ساتھ کیسے مل سکتے ہیں، کیونکہ آپ کی دینی کتابوں میں قابل اعتراض باتیں لکھی ہوئی ہیں جو ہمارے مسلک کے خلاف ہیں" مفتی صاحب نے جواب دیا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے" اس مسئلے کو حل کیا جا سکتا ہے لہٰذا مفتی محمودؒ نے اس کا حل تجویز کیا کہ پانچ علماء کرام ہمارے مسلک کے اور پانچ علماء کرام آپ کے مسلک کے مل بیٹھ کر یہ بات طے کرلیں کہ جن کتابوں پر آپ کو اعتراض ہو وہ کتابیں آپ لے آئیں اور جن کتابوں پر ہمیں اعتراض ہے وہ ہم لے آئیں۔ اگر آپ کے علماء کرام یہ ثابت کردیں کہ ہماری کتابوں میں جو باتیں خلاف شریعت ہیں تو ہم ان باتوں کو نکال دیں گے۔ اگر ہمارے علماء کرام یہ ثابت کر دیں۔ کہ آپ کی کتابوں میں قابل اعتراض مواد موجود ہے تو آپ ان باتوں کو نکال دیں چنانچہ عبدالنبی کوکب صاحب اس تجویز کو بہت پسند کیا اور ہماری اس تجویز سے مکمل طور پر اتفاق کیا اور یہ وعدہ کیا کہ میں اپنے علماء کرام سے بات چیت کر کے آپ کو جواب دوں گا، مفتی صاحب

فرمانے لگے آج تک اس کا جواب نہیں آیا مفتی صاحب اکثر اس بات کا ذکر کرتے رہتے اور اپنی اس پیش کش پر ہمیشہ قائم رہے۔ مفتی صاحبؒ اتحاد کے داعی تھے وہ مختلف فرقوں کو یکجا کرنے کے لئے آخری عمر تک کوشش کرتے رہے اور اپنے موقف میں اس بات پر زور دیتے تھے کہ ہمارا نبی ایک، ہمارا نصاب تعلیم ایک، ہمارا فقہ ایک، اور ہمارا اسلام ایک پھر کیا وجہ ہے کہ ہم دین کی خاطر ایک نہیں ہوتے

مفتی صاحبؒ کی زندگی کے بہت سے ایسے واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بار بار جمعیت علماء پاکستان کو اتحاد کی دعوت دیتے رہتے ہیں یہ ان کی دیرینہ خواہش تھی کہ جمعیت علماء اسلام اور جمعیت علماء پاکستان ایک جماعت ہو کر کام کریں۔

جنرل یحییٰ خان کا زمانہ تھا۔ سیاسی تقریریں چار دیواری میں ہوتی تھیں، سیاسی طور پر ملک دو محاذ میں بٹ چکا تھا۔ ایک محاذ کی سرمایہ دار اور جاگیردار پشت پناہی کر رہے تھے۔ دوسرے محاذ کی حمایت ملک کے غریب عوام اور مفتی محمودؒ کر رہے تھے۔ اس وقت ملک سیاسی کشمکش کا شکار ہو چکا تھا۔ حالات کی نزاکت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مفتی صاحب نے اپنی سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا اور ملک کو خانہ جنگی سے بچا لیا۔ بعض انتہا پسند سیاسی جماعتیں شوکت اسلام کا ڈھونگ رچا کر پورے ملک میں خانہ جنگی کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ اس موقع پر مولانا مفتی محمودؒ مدرسہ قاسم العلوم کے دار الحدیث میں خطاب کرتے ہوئے حالات کا تجزیہ کیا اور فرمایا کہ جو لوگ ہمیں سوشلزم کی حمایت کرنے کا الزام لگا رہے ہیں انہیں خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت ملک میں سرمایہ داری مسلط ہے اور سرمایہ دار چاہتے ہیں کہ ان کا تصادم سوشلزم والوں سے کرانا چاہیئے تاکہ ہماری سرمایہ داری برقرار رہے جو کہ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں جو چیز مسلط ہے۔ اس وقت ہمارے ملک میں سرمایہ داری مسلط ہے اس لئے ہم اس کی مخالفت کرتے رہیں گے اور جب کبھی سوشلزم کا خطرہ پیدا ہوا یا سوشلزم مسلط ہوا تو اس کا مقابلہ ہم ہی لوگ کریں گے۔ نا کہ ہمارے مخالفین، بلکہ آج جو لوگ سوشلزم کی مخالفت کر رہے کل ان کی اکثریت سوشلزم کی ہمنوا ہوگی۔ لہذا جب بھٹو برسرِ اقتدار آیا جو ان کے نزدیک سب سے بڑا کمیونسٹ تھا تو ۱۱۳ علماء کرام کی اکثریت اس کے ساتھ تھی اور مفتی محمودؒ میدان جہاد میں تنہا تھے، حالات اور واقعات نے مفتی صاحبؒ کی بات کو درست ثابت کیا۔ انہوں نے اپنی سیاسی بصیرت اور دور اندیشی

سے مستقبل کے حالات کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا اور آنے والے سیاسی واقعات کا صحیح تجزیہ کیا تھا لہذا عوام پوری ذمہ داری سے کہہ سکتے ہیں کہ مفتی محمودؒ صاحب کا موقف درست تھا۔

مفتی محمودؒ شروع ہی سے عوامی لیڈر رہے۔ وہ دوسرے لیڈروں کی طرح حادثے کی پیداوار نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو عام کارکن کی حیثیت سے سیاسی حلقوں میں متعارف کرایا اور آہستہ آہستہ سیاست کے میدان میں سب سے آگے نکل گئے۔ سیاسی لحاظ سے ان میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کا رابطہ کارکنوں سے قائم رہتا تھا۔ کارکنون میں گھل مل جانے تھے اور بڑی بے تکلفی سے جماعتی کارکنوں سے ملتے تھے ان میں کارکن اور لیڈر کی اونچ نیچ نہیں تھی جیسا کہ ہمارے ملک کے سیاست دانوں میں پائی جاتی ہے۔ مفتی محمودؒ کی سیاست میں عوامیت پائی جاتی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگا سکتے ہیں۔

جمہوری مجلس عمل نے چوک گھنٹہ گھر ملتان سے ایوب خان کے خلاف جلوس نکالنا تھا۔ جلوس کی قیادت ملتان کے جن لیڈروں نے کرنی تھی ان میں مولانا مفتی محمود صاحب کا نام بھی تھا۔ مفتی صاحبؒ کسی کام کی وجہ سے لیٹ ہو گئے اور مقررہ وقت پر تشریف نہ لائے۔ جلوس گھنٹہ گھر سے روانہ ہو گیا اس موقع پر شیخ محمد یعقوب نے حافظ نور احمد کے ذمے لگایا کہ وہ فوراً قاسم العلوم جائیں اور مفتی صاحب کو لے کر آئیں کیونکہ جلوس روانہ ہو رہا ہے اس موقع پر مفتی صاحب کا ہونا ضروری ہے چنانچہ حافظ نور احمد مفتی صاحبؒ کو لینے کے لئے قاسم العلوم روانہ ہو گئے۔ جب حافظ صاحب مفتی صاحب کو لے کر گھنٹہ گھر پہنچے تو جلوس وہاں سے جا چکا تھا۔ اس موقع پر مفتی محمود صاحب نے حافظ صاحب کو کہا کہ کوئی ایسا شارٹ کٹ بتائیں تاکہ ہم جلوس میں شریک

ہو سکیں حافظ نور احمد مفتی صاحب کو وارڈ نمبر ۲ کی تنگ و تاریک گلیوں سے لے جاتے ہوئے براستہ گرمنڈی سے چوک بازار پہنچے تو جلوس وہاں موجود تھا، جلوس میں شریک ہو کر مفتی صاحب نے بڑی خوشی محسوس کی، ملتان کی تنگ و تاریک گلیوں کا سفر کرتے ہوئے بالآخر جلوس میں شامل ہو گئے، انہوں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ مجھے کس جگہ لے جا رہے ہیں چونکہ ان میں عوامی جذبہ تھا اس لئے انہوں نے اس بات کی کبھی پرواہ نہیں کی یہ ان عظمت اور عوامی لیڈر بننے کی دلیل ہے۔

ایک دفعہ مفتی محمود صاحب نے لوہاری گیٹ دفتر جمعیت علماء اسلام میں ایک پریس کانفرس سے خطاب کرنا تھا، ڈاکٹر احمد حسین کمال نے حافظ نور احمد اور حافظ بشیر دفتر ناظم کو مفتی صاحب کو لینے کے لئے بھیجا، چنانچہ یہ دونوں مفتی صاحب کے گھر پہنچے، آتے ہوئے ان دونوں نے چاہا کہ مفتی صاحب ہم میں سے ایک کے ساتھ رکشے میں سوار ہو جائیں، حافظ نور احمد نے کہا ایک آدمی یہاں مدرسہ میں ٹھہر جائے اور دوسرا آدمی آپ کے ہمراہ رکشے میں سوار ہو کر چلا جائے۔ اس پر مفتی محمود صاحب نے کہا یہ کبھی نہیں ہو سکتا ہم اپنے ایک ساتھی کو چھوڑ کر چلے جائیں. ہم سب ساتھی تانگے میں سوار ہو کر اکٹھے جائیں گے۔ ہم میں سے ایک نے کونسا قصور کیا ہے کہ اسے اکیلا یہاں چھوڑ جائیں۔ اس طرح مفتی صاحب کے بہت ایسے واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں کارکنوں سے بے انتہا محبت تھی، ان کے طرزِ عمل سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں حسرت موہانی طرح سادگی اور حسین احمد مدنی کی طرح تیز رفتاری پائی جاتی تھی۔

مفتی محمودؒ سامراج کے ازلی دشمن تھے اور ان کی پوری زندگی سامراج کی مخالفت کرنے میں گزر گئی ۔ سامراج دشمنی مفتی صاحب کو اپنے اکابر کے ورثہ میں ملی تھی ۔ ان کے اکابر بھی برصغیر کو آزاد کرانے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے میں لگے رہے ۔

اسیر مالٹا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ ۔ مولانا عبید اللہ سندھی ۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ مولانا ابوالکلام آزاد ۔ مولانا رشید احمد گنگوہی ۔ مولانا احمد علی لاہوری ۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری ۔ اور مولانا محمد علی جالندھری ان اکابرین دیوبند نے انگریز سامراج اور ان کے گماشتوں کے خلاف تمام عمر جہاد کیا ۔

مفتی محمودؒ اپنے اسلاف کی تاریخ کو زندہ رکھنے کے لئے ان کے نقش قدم پر چلے ۔ ان کی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ تمام عمر سچائی اور اصولوں کی خاطر لڑتے رہے ۔ انہوں نے بزرگان دین کی تعلیم اور نصب العین کو اپنائے رکھا یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے اسلاف کی شاندار روایات کو زندہ رکھتے ہوئے ان کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور آخری دم تک سامراجی قوتوں اور جمہوریت دشمن طاقتوں کا مقابلہ کرتے رہے یہی ان کی عظمت اور کامیابی شاندار مثال ہے ۔

مفتی صاحبؒ کے مشن کو ناکام کرنے کے لئے امریکی C.I.A نے ساطع الجیلی نام کا ایک شخص پاکستان بھیجا ۔ اس نے مفتی صاحب کے خلاف نفرت انگیز تقریریں شروع کیں وہ شخص دعوی کرتا تھا کہ میں عراق سے آیا ہوں ، چونکہ عراق میں کیمونسٹ حکومت برسر اقتدار آئی ہے اس لئے میں عراق چھوڑ کر پاکستان آگیا ہوں ۔ یہ پراسرار شخص شتر بے مہار کی طرح پاکستان

کے شہروں میں آزادی سے پھرتا رہا ہے اور سامراجی ایجنٹوں کے اشارے پر مفتی صاحب کے خلاف زہر افشانی کرتا رہا۔ اس وقت مفتی محمودؒ صاحب اسعد العرب سید جمال عبدالناصر مرحوم سابق صدر جمہوریہ مصر کی حمایت کر رہے تھے ساطع الجمیلی نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مفتی محمودؒ اور جمال عبدالناصر کی شدید مخالفت شروع کردی اس کے خلاف اس وقت کی حکومت نے کوئی نوٹس نہیں لیا جب کہ ساطع الجمیلی کی سرگرمیاں ملک دشمنی پر مبنی تھیں۔

مفتی صاحب ایک دور اندیش سیاست دان تھے اس لئے انہوں نے اپنی خداداد فراست سے سمجھ لیا یہ شخص C.I.A کا باقاعدہ ایجنٹ ہے اور اسی بنا پر عراق سے کئی سال پہلے ملک بدر کیا گیا تھا اور یہ اس وقت سے ارجنٹائن میں مقیم ہے اور وہاں سے صوت الاسلام رسالہ نکالتا ہے۔ مفتی محمودؒ نے اُسے چیلنج کیا کہ میں جمال عبدالناصر کے بارے میں مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔ مفتی صاحب کے چیلنج سے یہ شخص اتنا خائف ہوا کہ ملک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ مفتی صاحب کے للکارنے سے یہ شخص اتنا بوکھلایا کہ اس نے ایک مجلس میں جس میں مدرسہ تعلیم الابرار کے مہتمم مولانا ابوالحسن قاسمی بھی موجود تھے (ساطع الجمیلی) نے کہا کیا تم میں ایسا شخص موجود نہیں ہے جو مفتی محمودؒ کو قتل کر دے۔ یہ اس کی شکست کی دلیل تھی۔ جب اس کا کوئی حربہ کامیاب نہ ہوا تو اسے ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ مفتی صاحب اس وقت ملک کی ایک تحریک بن چکے تھے۔ لاکھوں جانثار ان کے نام پر مرنے کے لئے تیار تھے مفتی محمودؒ کی بڑھتی ہوئی قوت اور مقبولیت کو دیکھ کر یہ شخص گھبرا گیا۔ اور اب اس کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ اس شخص نے مجبور ہو کر حکیم انور علی شاہ سے ذکر کیا کہ مفتی محمودؒ کو میری

رہائش گاہ پر لے آؤ ۔ حکیم انور علی صاحب مفتی صاحب سے آکر یہ بات کی ۔
مفتی محمود سیاست کے شہسوار تھے اس کی سازش کو بھانپ گئے اور کہا کہ میں
اس کی رہائش گاہ پر اس لئے نہیں جاسکتا کہ وہ یہ چاہتا ہے کہ مفتی صاحب کے
ساتھ فوٹو کھچوا کر پریس میں دے دیا جائے اور لوگوں کو یہ تاثر دیا جائے ۔ کہ
مفتی صاحب سٹیج پر میری معذرت کرتے ہیں ۔ اس پر مفتی صاحب نے کہا کہ
اس کی رہائش گاہ کے علاوہ میں اس سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہوں اس
بات پر حکیم انور علی شاہ نے اپنی رہائش گاہ پر دونوں کی ملاقات کا اہتمام کیا لیکن
ساطع الجیلی دم دبا کر بھاگ گیا اور اسے آنے کی جرأت نہ ہوئی ۔ اس نے ایک بار پھر
اپنی ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے مفتی محمودؒ پر الزام لگایا کہ مفتی کو ناصر سے
امداد ملتی ہے ۔ اور وہ ناصر کے ایجنٹ ہیں اس بات پر اس نے مفتی محمودؒ کو مباہلہ
کا چیلنج کیا ۔ مفتی صاحب نے فوراً پریس میں بیان دیا کہ مجھے مباہلہ کا چیلنج
قبول ہے ۔ اور ساتھ ہی مفتی محمودؒ نے کہا یہ شخص ارجنٹائن میں کسی کی امداد
پر مقیم ہے ۔ اور صوت الاسلام رسالہ کے اخراجات کون پورے کرتا ہے ۔
لیکن اس نے اس چیلنج کو بھی قبول نہیں کیا اور یہ شخص راتوں رات فرار ہو گیا ۔
اس کے کچھ دنوں بعد یہ شخص کراچی میں ڈرامائی انداز میں نمودار ہوا وہاں پھر اس
نے مفتی صاحب کے خلاف زہر افشانی کی اور اس نے مفتی محمود پر الزام لگایا
کہ اس نے جمال عبدالناصر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے ملک میں سوشلزم نافذ
کر دیں جس مجلس میں اس نے یہ الزام لگایا وہاں مولانا یوسف بنوریؒ بھی
تشریف فرما تھے وہ فوراً کھڑے ہو گئے اور بڑے پر زور الفاظ میں کہا کہ یہ
شخص جھوٹ بولتا ہے اور بہتان لگاتا ہے ۔ یہ کبھی بھی مصر کی مجلس میں
نمائندہ بن کر نہیں گیا ۔ ساطع الجیلی نے حضرت بنوری سے کہا کہ میں اس مجلس میں

موجود تھا۔ اس پر بنوریؒ صاحب نے کہا کہ تم نمائندہ کی حیثیت سے نہیں
آئے تھے بلکہ ایک عالم کے ساتھ بطور خادم مصر آئے تھے اور تمہارا خاص
میٹنگ میں شریک ہونے کا کوئی جواز نہیں ہے تم جھوٹ بولتے ہو۔
جمال عبد الناصر کے ساتھ جتنی ملاقاتیں ہوئیں ہیں ان تمام میں موجود ہوتا تھا۔
اس کے بعد یہ لعنت ملک سے فرار ہوگئی۔

یہ چہرے بدلنے کے لوگ بھی کیا کیا بنے رہے۔

۱۹۷۰ میں جب انتخابات اور سیاسی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ لوگ سرمایہ داری نظام سے تنگ آچکے تھے اور ایسے حالات میں عوام معاشی اور سیاسی طور پر ملک میں انقلابی تبدیلی چاہتے ۔

مفتی محمود نے عوام کے مسائل اور ضروریات کو مدِنظر رکھتے ہوئے مزدور کسان کا نعرہ لگایا۔ اس عوامی نعرے سے سرمایہ داری اور جاگیرداری کو خطرہ لاحق ہوگیا ۔

اس موقع پر عوام دشمن اور رجعت پسند سیاسی جماعتوں کو اسلام خطرہ میں نظر آنے لگا لہٰذا ان جماعتوں نے نام نہاد مولویوں کو خریدنے کی کوشش کی تاکہ اس ملک میں مکمل طور پر سرمایہ داری اور جاگیرداری کا تحفظ کیا جائے چنانچہ ابن الوقت مولویوں اور علماء سو نے مزدوروں اور کسانوں کی بات کرنے والوں پر حسب روایت کفر کا فتویٰ لگا دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ۔

جب کبھی بھی اس ملک میں سرمایہ داری کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے۔ تو رجعت پسند حلقوں کی طرف یہ آواز بلند ہوتی ہے کہ اسلام خطرہ میں ہے ۔ اصل میں اسلام خطرہ میں نہیں ہے بلکہ اس ملک میں ناانصافی ظلم اور استحصال کرنے والی قوتوں کو خطرہ ہے ، خدا بھلا کرے مفتی محمود کا جس سے فتویٰ کی مخالفت کر کے لاکھوں مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچالیا ۔ اور سامراج کا یہ منصوبہ خاک میں مل گیا ۔

اس موقع پر ترقی پسند عوام اور سامراج دشمن طاقتوں نے مفتی صاحب کی اس بات کا بہت خیر مقدم کیا چونکہ فتویٰ ایک جذباتی بات تھی اگر اس فتویٰ کو اس وقت مفتی صاحب رد نہ کرتے تو لاکھوں مسلمان خون ریزی کا شکار ہو جاتے ۔

یہ امر دلچسپ ہے کہ فتویٰ دینے والی مخلوق نے چوتھی قسم ان لوگوں کی بتائی تھی جو اپنے منشور میں قرآن و سنّت کو بنیاد قرار دیتے ہیں، اسلامی نظام ہی کو ملک میں رائج کرنے کے مدعی ہیں (مفتی محمود اور ان کی جماعت)
مگر ساتھ ہی ایسے سوشلسٹ عناصر کے ساتھ اشتراکِ عمل کا معاہدہ بھی کئے ہوئے ہیں جن کی خلاف اسلام سرگرمیاں اس سے پہلے بھی عام مشاہدہ میں آچکی ہیں۔
یہ بات اپنی جگہ خاص اہمیت رکھتی ہے کہ جو مولوی فتویٰ دینے میں پیش پیش تھا اور لہک لہک کر سوشلزم کے خلاف ملک میں تقریریں کرتا پھرتا تھا یعنی مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب جس نے بھٹو کے برسرِ اقتدار آنے پر ۱۱۳ علماء میں سب سے پہلے سجدہ سہو کیا اور بھٹو کے ہاتھ بیعت کی ۔

وقت پر اپنے مقدر آزما لیتے ہیں لوگ
ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتے ہیں لوگ

ایک زمانہ وہ تھا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تبلیغ سے کافروں کو مسلمان بناتے تھے مگر اب ایسا وقت آگیا ہے کہ علماء سو علماء حق اور کلمہ گو مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگا کر انہیں دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔ ان نام نہاد علماء کو خدا کا خوف تک نہیں ہے، مسلمان کو مسلمان سے لڑانے کے لئے جاگیرداروں اور سامراجیوں کے اشارے پر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ شرمناک کام انجام دے رہے ہیں۔ یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

فتویٰ دینے والے علماء جو اپنے آپ کو اسلام کا ٹھیکدار سمجھتے ہیں کبھی انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ ہم جن لوگوں کے خلاف فتویٰ استعمال کر رہے ہیں، وہ درحقیقت اس ملک کے کروڑں مسلمان ہیں جو خدا تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مانتے ہیں۔

جب علماء سو اور فرقہ پرست مولویوں کی دوکانداری خطرہ میں پڑتی ہے تو انہیں اسلام خطرہ میں نظر آتا ہے، حالانکہ اسلام کو دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی، اسلام اپنی جگہ ہمیشہ برقرار رہے گا اگر خطرہ ہے تو اس ملک کے سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور سامراجی ایجنٹوں کو جن کے ٹکڑوں پر فتویٰ فروش مولوی پلتے ہیں۔

مفتی محمود اور ان کے ساتھیوں کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کی وجہ سے سامراج بوکھلا گیا اور وہ کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کرسکتا تھا کہ مفتی محمود جیسے لیڈر پاکستان میں کامیاب ہوں اس لئے اس نے جوزف فارلینڈ کو پاکستان کا سفیر بنا کر بھیجا، اس نے مفتی صاحب کے خلاف سازش کی، اس نے عوام دشمن سیاسی جماعتوں میں روپیہ تقسیم کرنا شروع کردیا۔

پاکستان نے امریکہ کے ساتھ پی۔ ایل۔ ۴۸۰ کے تحت جو معاہدہ کیا تھا اس کی رو سے امریکی گندم کی قیمت پاکستان اپنی کرنسی میں ادا کرتا تھا وہ رقم امریکی سفیر پاکستان کے بینکوں میں جمع کرا دیتا تھا۔ یہ اس کا طریقہ واردات تھا اس طرح جوزف فارلینڈ عوام دشمن اور سامراج نواز سیاسی جماعتوں میں روپیہ تقسیم کرتا تھا۔

مفتی محمودؒ نے ایک عوامی جلسے میں اس بات کا انکشاف کیا۔ انہوں اپنی تقریر میں یحییٰ خان کو خبردار کیا کہ فارلینڈ کی سرگرمیاں ملکی مفادات کے خلاف ہیں لیکن اس وقت کی حکومت نے اس بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ مفتی صاحب کا مطالبہ روز بروز زور پکڑتا گیا عوام میں اس کے خلاف جذبات ابھرنے لگے حتیٰ کہ مفتی صاحب کا یہ مطالبہ عوامی شکل اختیار کر گیا کہ جوزف فارلینڈ کو ناپسند شخص قرار دے کر ملک سے باہر نکالا جائے لیکن افسوس سامراج دشمن کے دعویداروں نے اس کی حمایت نہ کی۔

مفتی صاحب اور ان کی کالعدم جمعیت علماء اسلام نے اس کے خلاف سرگرمیاں تیز کردیں، مفتی محمودؒ نے کالعدم پیپلز پارٹی کے خلاف بھی آواز اٹھائی کہ تم کیسے غریبوں، مزدوروں اور کسانوں کے ہمدرد ہو۔ تم خود بھی جاگیردار اور ملک میں جاگیرداری نظام کا تحفظ کر رہے ہو، اس پر پیپلز پارٹی نے فیصلہ کیا کہ ہم کالعدم جمعیت علماء اسلام کے خلاف کوئی نمائندہ ان چار رہنماؤں کے

مدِ مقابل کھڑا نہیں کریں گے۔ مولانا عبداللہ درخواستی۔ مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا عبید اللہ انور اور مولانا مفتی محمودؒ۔

جب پیپلز پارٹی اور جمعیت علماء اسلام کے درمیان اشتراک ہونا شروع ہوا تو جوزف فارلینڈ نے بھٹو کو شیشہ میں اتارنے کی کوشش کی چنانچہ جوزف فارلینڈ نے پشاور میں بھٹو سے ملاقات کی اس ملاقات کا نتیجہ یہ نکلا کہ کالعدم پیپلز پارٹی کے سابق چیئرمین ذوالفقار بھٹو ڈیرہ اسماعیل کی سیٹ پر مفتی محمود کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے، حالانکہ بھٹو کے قریبی ساتھیوں (صاحبزادہ فاروق علی خان وغیرہ نے) انہیں اس سیٹ پر الیکشن لڑنے سے منع کیا تھا بھٹو نے اپنی سیاسی غلطی کی وجہ سے تاریخی شکست کھائی، لہذا ایک مرتبہ اس نے اپنی شکست سے خوفزدہ ہو کر کہا کہ آئندہ میں کبھی بھی مفتی صاحب کے مقابلے میں انتخاب نہیں لڑوں گا۔ یہ دونوں راہنما اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اب تاریخ فیصلہ کرے گی کہ سامراج کا دشمن بھٹو تھا یا مفتی محمودؒ؟

مفتی محمودؒ اپنی سیاسی زندگی میں تمام عمر سرمایہ داری اور جاگیرداری کے خلاف جہاد کرتے رہے انہوں نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ دیہات میں مزارعین بڑے زمینداروں کے زیر سایہ جس طرح وقت گزار رہے ہیں اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مزارعین اور کاشتکار بڑے زمینداروں کے کتوں کو جو دودھ اور مکھن کھلاتے ہیں خود اس سے محروم ہیں۔ اس معاشرہ میں زمینداروں کے کتوں کو دودھ مل جاتا ہے لیکن کاشتکار لسی کے لئے ترستے ہیں حالانکہ روز شب کی محنت و مشقت کے بل بوتے پر زمینداروں کو عیاشی کے مواقع ملتے ہیں۔

مفتی صاحبؒ نے دیہات کے زمینداروں کے ظلم و ستم اور ان کی عیاشی کی جو تصویر کھینچی ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ دیہات کے بڑے بڑے زمیندار اپنے مزارعین پر غیر انسانی تشدد کرتے ہیں۔ انہیں اپنی زمین سے بے دخل کرنے کے لئے پولیس میں ان کے خلاف جھوٹے پرچے کرا دیتے ہیں اور پولیس زمیندار کے حکم پر مزارعین پر بے پناہ تشدد کرتی ہے حتیٰ کہ بعض دفعہ ان پر اتنا تشدد کیا جاتا ہے کہ تھانہ ہی میں ان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں ایسے اکثر واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں کہ دیہات کے غریب لوگوں اور مزارعوں کو زمینداروں کے اشارے پر انہیں ناجائز اور جھوٹے مقدمات میں ملوث کیا جاتا ہے چونکہ پولیس زمینداروں کے اشاروں پر ناچتی ہے اور ان کے ٹکڑوں پر پلتی ہے اس لئے مظلوم دیہاتیوں اور بے بس مزارعوں کی کوئی دادرسی نہیں ہوتی وہ صرف وڈیروں اور زمینداروں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔

مفتی محمودؒ اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات سمجھتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک صرف اسلام ہی ایک واضح اور مکمل نظام ہے جو معاشرہ میں بڑھتی ہوئی

ناانصافی، غربت، جہالت، ظلمت، لوٹ کھسوٹ، اور معاشی ناہمواری کو دور کر سکتا ہے لہذا ان کے نزدیک اسلام میں نہ سوشلزم کی گنجائش ہے اور نہ ہی سرمایہ داری کی۔ بنجر اور بے آباد زمینوں کے مالک زمیندار نہیں کاشتکار ہیں۔ اسلام محض عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل اور جامع نظام حیات ہے، علماء متحد ہو کر قوم کو اقتصادی نظام دیں۔ مفتی صاحبؒ بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلام میں جاگیردارانہ نظام کی کوئی گنجائش نہیں، انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں جو جاگیریں اور زمینداریاں اپنے کاسہ لیسوں کو دی تھیں وہ سب کی سب واپس لے لینی چاہئیں۔ انگریز کی خدمت کے عوض جو جاگیریں بخشی گئی تھیں۔ انہیں برقرار رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ وہ سرمایہ داری کی شدید مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسلام سرمایہ داری کا مخالف ہے خود پاکستان میں اسلام کو سب سے زیادہ نقصان سرمایہ داری نے پہنچایا ہے کیونکہ چند خاندانوں میں دولت جمع ہو جانے سے غریب عوام میں مایوسی اور بددلی پیدا ہوئی اور اس طرح اسلام کے مخالف نظریات کو راہ پانے کا موقع ملا۔ آج قوم مایوسی کا شکار ہے اور بعض لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں شاید اسلام میں بھوک اور افلاس کا کوئی علاج نہیں ہے اور اس بنا پر یہ لوگ سوشلزم یا کمیونزم کی بھاگ رہے ہیں۔ قوم میں یہ مایوسی ہماری بے عملی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

مفتی محمودؒ نے جب سرمایہ دار اور جاگیرداری کے خلاف ملک میں آواز اٹھائی تو مخالف جماعتوں اور عوام دشمن حلقوں کی طرف ان کی شدید مخالفت ہونے لگی۔ آپ پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے۔ نام نہاد دین کے ٹھیکیداروں کی طرف سے فتوے جاری ہوئے مگر آپ نے مخالفت اور

فتوٰی کی کوئی پرواہ نہیں کی اور مسلسل عوامی جدوجہد کر کے اس دیس کے مزدوروں اور کسانوں کی حمایت حاصل کر لی۔ آپ نے عوامی محاذ پر سرمایہ داری کے ایجنٹوں اور جمہوریت دشمن طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا انہیں دینی اور سیاسی محاذ پر مکمل طور پر شکست دی۔

مفتی صاحب عوام کے مسائل سے اچھی طرح واقف تھے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ جب تک موجودہ نظام کو تبدیل نہ کیا گیا اس وقت تک اس ملک سے ناانصافی اور سرمایہ داری کا خاتمہ نہیں ہو سکتا اس لئے وہ چاہتے تھے کہ ملک کا معاشی نظام اور سماجی ڈھانچہ اسلام کی بنیادوں پر قائم کیا جائے چنانچہ انہوں نے اپنی تقریروں میں اکثر یہ موقف اختیار کیا کہ سرمایہ داری اور سامراج کی حفاظت کے لئے اسلام کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ سامراجی اثرات کے خاتمہ کے بغیر پاکستان کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ محنت کشوں، مزدوروں اور کسانوں کی پر زور حمایت کی جائے گی۔

۱۹۷۰ الیکشن کا زمانہ تھا اس وقت سرگرمیاں پورے عروج پر تھیں ہر جماعت نے اپنا اپنا منشور پیش کیا ہوا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رجعت پسند اور عوام دشمن لیڈر اپنے آقا کے اشارے پر مفتی صاحب کی ذات اور جمعیت علماء اسلام پر تنقید کر رہے تھے۔ سامراجی حلقے مفتی صاحب پر سوشلزم کا پرچار کرنے کا الزام لگا رہے تھے یہ ایک ایسا نازک وقت تھا کہ مزدور اور کسان کی بات کہنے والے پر سوشلزم کی تبلیغ کا فتویٰ لگ جاتا تھا۔

ایسے پرآشوب اور نازک دور میں مفتی صاحب نے جرات مندی اور دلیری سے مخالف قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا چونکہ اس وقت مفتی محمود کو غریب عوام، مزدور کسان، طلباء، دانشور اور علماء حق کی مکمل حمایت حاصل تھی اس لئے آپ فتوؤں اور الزامات کی پرواہ کئے بغیر سب سے پہلے جماعت کا منشور پیش کیا۔ یہ مفتی صاحب کی سیاسی بصیرت اور خداداد فراست تھی کہ انہوں نے اتنی تیز رفتاری سے کام لیتے ہوئے سیاست کے میدان میں سب سے پہلے اپنے آپ کو لا کھڑا کیا۔

مفتی محمود صاحب نے جو منشور عوام کے سامنے پیش کیا تھا اس کے بارے میں مدرسہ خیر المدارس کی ایک مجلس میں اظہار خیال کیا جا رہا تھا کہ جو منشور مفتی صاحب نے پیش کیا ہے اس میں سوشلزم کا پرچار ہے یہ کاپی ہم نے پڑھی ہے۔ جمعیت علماء اسلام کا یہ منشور مکمل طور پر سوشلزم پر مبنی ہے۔ اس کی ایک کاپی ہم نے دیکھی ہے۔ اس کا ہم جواب دے رہے ہیں اس سلسلہ میں ہم نے مفتی جمیل احمد تھانوی کو مقرر کر دیا ہے اس مجلس میں مولانا حافظ عبدالحق (خطیب جامع مسجد تواں شہر) بھی موجود تھے جو اس وقت مدرسہ خیر المدارس میں زیر تعلیم تھے اس زمانے میں طلباء کی اکثریت کے ذہن مفتی محمود اور جمعیت علماء اسلام کے ساتھ تھے تقریباً ملک کے تمام عربی مدارس کا یہی حال تھا۔ مولانا عبدالحق اس وقت ان لوگوں کی مجلس میں موجود تھے

انہوں نے جب یہ بات سُنی تو بہت صدمہ ہوا کہ یہ لوگ بغیر کسی وجہ سے جمعیّت کی مخالفت کیوں کر رہے ہیں؟

حافظ عبدالحق نے اس بات کا ذکر حافظ نور احمد سے کیا۔ حافظ نور احمد اُن کو اپنے ہمراہ مفتی محمودؒ صاحب کے پاس لے کر گئے تاکہ یہ بات مفتی صاحب تک پہنچا دی جائے۔ اس وقت تقریباً صبح آٹھ دس بجے کا وقت تھا، مفتی صاحبؒ اس وقت بڑی شفقت سے پیش آئے چائے وغیرہ بھی پلائی حافظ صاحب نے یہ تمام واقعہ مفتی صاحب کے گوش گزار کیا، مفتی صاحبؒ نے اس وقت فوراً ڈاکٹر احمد حسین کمال سے کہا جو اس وقت مرکزی دفتر کے ناظم اور ترجمان اسلام کے ایڈیٹر تھے۔ کہ پریس سے منشور کی کاپی رکوالیں میں اس میں کچھ ضمیمہ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں پس مفتی صاحبؒ نے ضمیمہ لکھا اور کہا میں ان کی ذہنیت سے اچھی طرح واقف ہوں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہیں،،

مفتی صاحبؒ کی دور اندیش نگاہوں نے ان کے عزائم کو اچھی طرح پہچان لیا تھا انہوں نے اپنی ذہانت اور فراست سے منشور کے آخری دو ضمیمہ تحریر فرما کر ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اب آپ لوگوں منشور مکمل ہے اور اب اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے گا" آج بھی جمعیّت علماء اسلام کا منشور عوام کے سامنے ہے مخالفوں کو آج تک منشور کی ایک شق پہ بھی اعتراض کرنے کی جراٗت نہیں ہو سکی۔

ایک دفعہ میں مولانا مفتی محمودؒ کی خدمت میں حاضر تھا کافی لوگ مفتیؒ صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حالات حاضرہ پہ بحث ہو رہی تھی، محفل میں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے فرقہ وارانہ گفتگو شروع کر دی اور مخالف فرقے پر طعن کرنے لگا، اس پر مفتی صاحبؒ نے اسے منع کیا اور کہا ہم اتحاد کی کوشش کر رہے ہیں اور تم ایسے موقع پر فرقہ واریت کی بات کر رہے ہو۔ مفتی صاحب کی اس بات سے میں بے حد متاثر ہوا اور سوچنے لگا کہ ایسی خوبی بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

انہوں نے ہمیشہ مختلف فرقوں کو یکجا کرنے کے لئے سر توڑ کوشش کی یہ خوبی بہت کم لیڈروں میں پائی جاتی ہے۔ ان کی ۴۱ سالہ سیاسی اور دینی زندگی کھلی کتاب کی طرح عوام کے سامنے ہے لہذا کوئی شخص بھی ان پر یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ایک مخصوص فرقے کی ترجمانی کی ہو بلکہ انہوں نے مختلف فرقوں اور مخالف دھڑوں کو اکھٹا کرنے کے لئے جدوجہد کی زندگی کے آخری ایام تک وہ اس نیک کام میں لگے رہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ان کا یہ عمل ذریعہ نجات ہے۔ میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا، پرکھا اور جانچا اس مرد قلندر کو فرقہ واریت اور صوبائی عصبیت سے مبرّا پایا تنگ نظر لوگوں اور اقتدار پرست مولویوں کی ذہنیت کے بارے میں مولانا روم، علامہ اقبال، ابوالکلام آزاد اور مفتی محمودؒ کے افکار و نظریات میں مماثلت پائی جاتی ہے۔

مفتی محمودؒ ایک ترقی پسند انسان تھے ان میں افکار کی سچائی اور خیالات کی بلندی پائی جاتی تھی اس لئے وہ ہر چیز کو وسیع نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے، انہوں نے اپنی شخصیت کو خاص فرقے تک محدود نہیں رکھا،

بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو فروعات اور مصطلحات کے جھگڑے سے دُور رکھا۔
وہ دین کی اہمیت اور سیاست کی حقیقت سے بخوبی واقف تھے اس لئے انہوں
نے اپنی شخصیت کو ملکی لیڈر کی حیثیت سے ابھارا اور یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے
کہ وہ سیاسی اور دینی اعتبار سے ملت اسلامیہ کے ایک مسلمہ لیڈر تھے۔

جب فتویٰ فروش مولویوں کا یہ کام رہ جائے کہ فروعی عقیدے کو کفر و ایمان
کا معیار بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کریں تو لوگوں میں محبت اور دوستی کی بجائے
دشمنائی اور نفرت پیدا ہوگی۔ ایسے علماء کو جس کے بارے میں مولانا روم، علامہ اقبال،
ابو الکلام آزاد، اور مولانا مفتی محمودؒ نشاندہی کر چکے ہیں کہ ملت اسلامیہ کو ان سے
ہوشیار رہنا چاہیئے۔ یہ دین اور دنیا دونوں کے لئے خطرہ ہیں اور ایسے لوگ روح
اسلام سے نا آشنا ہیں جو فرقہ بندی پر اپنی دوکانداری چمکا کر مسلمان بھائیوں کو
ایک دوسرے سے لڑاتے ہیں۔

علماء سو کے بارے میں مولانا ابو الکلام آزاد فرماتے ہیں"۔ سانپ اور بچھو ایک
سوراخ میں جمع ہو جائیں گے لیکن علماء دنیا پرست کبھی ایک جگہ اکھٹے نہیں
ہو سکتے۔ کتوں کا مجمع ویسے تو خاموش رہتا ہے۔ لیکن اِدھر قصائی نے ہڈی پھینکی
اور اُدھر ان کے پنجے تیز اور دانت زہر آلود ہو گئے۔ یہی حال ان سگان دنیا
کا ہے، ان کا سرمایۂ ناز "علم حق" نہیں ہے جو تفرقہ مٹاتا اور اتباعِ سبلِ متفرقہ
کی جگہ ایک ہی صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔ بلکہ یکسر علم جلال و خلاف ہے۔ نفس
پرستی اس کی کثافت کو خمیر دیتی ہے اور دنیا طلبی کی آگ اس کی ناپاکی کے بخارات
کو اور زیادہ تیز کرتی رہتی ہے۔

مولانا روم کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ علماء بین وظاہر پرستوں نے
ان کے ساتھ حسد برتنا شروع کیا اور ایک شخص کو سکھا پڑھا کر مناظرے

کے لئے ان کے پاس بھیجا پہلے ان سے یہ سوال کرنا کہ آپ کس فرقے میں ہیں پھر جس فرقے سے وہ اپنا تعلق بتائیں۔ اس کے متعلق یہ یہ سوال کرنا، کیونکہ ہر فرقے کے متعلق مناظر کو الگ الگ ہیتر سے اختیار کرنے پڑتے ہیں چنانچہ اس نے مولانا سے آغاز بحث میں یہی سوال کیا۔ مولانا نے جواب دیا کہ میں بہتر فرقوں سے متفق ہوں۔ یہ جواب جھگڑالو مولوی صاحب کے لئے بہت غیر متوقع تھا اس لئے ان کی سٹی گم ہوگئی لہٰذا سٹ پٹا کر اور بھنا کر بولے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بے دین اور ملحد ہیں، مولانا نے فرمایا میں اس سے بھی متفق ہوں،

حضرت مولانا مفتی محمودؒ علماء کرام کو ملک میں ان کا صحیح مقام دلانے اور انہیں ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کے لئے تمام عمر جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے ملک کے علماء کرام کو خواب غفلت سے بیدار کرتے ہوئے کہا کہ پیغمبرؐ اسلام کے قانون کا مذاق اڑایا جارہا ہے انگریزی تہذیب کو اسلامی احکام کے پردے میں مسلط کیا جارہا ہے ہم تم کو حقیقت حال سے اگاہ کرتے ہیں اگر اس وقت تم نے غفلت کی تو صحابہ کرامؓ کی ارواح طیبہ تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے" میں اسلامی قوانین کے لئے علماء سے تیز جدوجہد کی درخواست کرتا ہوں، شہروں، گلیوں، کوچوں اور بستیوں میں اس پرچم کو لے کر نکلو اور ہم نے تہیہ کر لیا ہے، کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عادلانہ نظام اس ملک میں نافذ نہیں ہوتا ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ ہمارا فرض ہے کہ ان حالات کو بدلیں اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں لائیں جو دیانت، امانت، سچائی، پاکیزگی، طہارت تزکیہ، تعلق باللہ، اتباع رسولؐ اور ایثار و شجاعت کی پاکیزہ بنیادوں پر قائم ہو، انہوں نے علماء کرام کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا علماء کرام میدان عمل میں اتریں۔ آپ ان حالات میں خاموش تماشائی کا کردار ادا نہ کریں آپ کی یہ خاموشی ملک و ملت کے لئے عظیم نقصان کا موجب بن سکتی ہے آج علماء کرام کے لئے اپنے چھوٹے چھوٹے اور کم وزن کے اختلاف کو چھوڑ کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا ضروری ہے۔

مفتی محمودؒ صاحب کی فکر انگیز تقریروں میں باربار علماء کرام کو متحد ہونے کا پیغام ملتا ہے، وہ علماء دین کو اس بات کی تلقین کرتے رہے ہیں کہ فروعی اختلافات کو ختم کرکے دین اسلام کے لئے متحد ہو جائیں۔ مگر ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی، جب علماء کرام کے دلوں سے دین کی حقیقت نکل جائے اور ان کے ذہنوں پر فرقہ بندی سوار ہو جائے تو امت مسلمہ کا متحد ہونا مشکل ہے۔ فرقہ پرست مولویوں اور اقتدار پسند علماء کی باہمی چپقلش سے وحدت

انسانی کا دین بہتر اکھاڑوں میں تقسیم ہو گیا ہے چنانچہ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کرلے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہوتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد
ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے
حریتِ افکار کی نعمت ہے خدا داد
قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

قاری رحیم بخش صاحب ۔ ملتان کی معروف دینی شخصیت ہیں ۔ نیک سیرت خوش گفتار اور بلند کردار کے مالک ہیں ۔ ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے ، ان کے ملنے سے ایمان تازہ ہو جاتا ہے ۔ اگرچہ بزرگ اور صاحب ایمان لوگ دنیا سے یکے بعد دیگرے اٹھتے جا رہے ہیں مگر ابھی صاحب عمل لوگ دنیا میں موجود ہیں جن کی دین داری اور پرہیزگاری ضرب المثل ہے اور جن کا وجود ملک اور قوم کے لئے باعث رحمت ہے ۔

سیاسی جماعتوں کو نشیب و فراز اور بحران سے گزرنا پڑتا ہے ہماری جمعیت کے لئے بھی ایک ایسا خطرناک موڑ آیا مگر خدا کا شکر ہے مفتی صاحب کی سیاسی اور دینی بصیرت کی وجہ سے اس پر قابو پا لیا گیا ۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب جمعیت علماء اسلام کے مقابلے میں مرکزی جمعیت علماء اسلام قائم کی گئی تھی جس کی قیادت مولانا احتشام الحق تھانوی کر رہے تھے اب علماء دین کے لئے یہ مشکل ہو گیا تھا کہ کونسی جماعت حق پر ۔ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ عالم کے بگڑنے سے عالَم بگڑ جاتا ہے ۔ چنانچہ قاری رحیم بخش صاحب ایسے موقع پر سخت پریشان تھے اور ان کے لئے یہ مشکل ہو گیا تھا کہ کون سی جماعت حق پر ہے ۔ علماء کرام کی جماعت میں اختلاف پیدا ہونے کی وجہ سے ۔ انہیں ذہنی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ انہی دنوں میں قاری رحیم بخش صاحب حج پہ تشریف لے گئے ۔ قاری صاحب نے بیت اللہ شریف میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور رو کر کہا یا اللہ مجھے شرح صدر کرا دو دونوں جماعتوں میں کون حق پر ہے اور میں کس کا ساتھ دوں" قاری صاحب فرماتے ہیں کہ اسی وقت مفتی صاحب کی شبیہ نظر آئی اور اب مجھے باری تعالیٰ کی ذات سے یہ یقین ہو گیا کہ مفتی صاحب حق پر ہیں ۔ اس کے بعد قاری رحیم بخش صاحب مدینہ منورہ تشریف لے گئے

وہاں روضہ رسولؐ میں بھی یہی دعا کی اس طرح مفتی صاحب کی شبیہ نظر آئی اس کے بعد قاری صاحب مفتی محمودؒ سے بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ میں قسم سے کہہ سکتا ہوں کہ مفتی صاحب حق پر ہیں۔ اس بنا پر قاری صاحب کے مولانا احتشام الحق تھانوی سے دیرینہ تعلقات بھی متاثر ہوئے۔

مفتی محمودؒ قاری رحیم بخش کی سیرت اور دین داری سے بہت متاثر تھے اور ان سے بہت محبت تھی اگر مفتی صاحب کو یہ علم ہو جاتا کہ قاری صاحب ملاقات کے لئے تشریف لا رہے ہیں تو مفتی صاحب بذات خود وہاں پہنچ جاتے۔

یہ سب ہے پہچان خاصانِ خدا کی ہر زمانے میں

اللہ تعالیٰ نے مفتی محمودؒ صاحب کو دینی قابلیت اور سیاسی سوچ و فکر سے نوازا تھا۔ آپ سیاست میں کوئی نہ کوئی دینی پہلو نکال لیتے تھے۔ مخالف کو علمی دلائل اور منطق سے قائل کرنے میں مہارت رکھتے تھے

ایک دفعہ قومی اسمبلی میں واک آؤٹ کرنے کا مرحلہ آیا تو مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب واک آؤٹ کرنے کے لیئے کھڑے نہیں ہوئے اس پر حزب اختلاف کے ممبران اور مفتی محمودؒ نے ہزاروی صاحب کو اسمبلی سے واک آؤٹ کرنے کے لئے کہا۔ مولانا غلام غوث ہزاروی نے جواب دیا کہ "قرآن شریف میں کہیں واک آؤٹ کرنے کا ذکر آیا ہے" اس پر مولانا مفتی صاحبؒ نے قرآن پاک کی آیت کے حوالے سے ثابت کرتے ہوئے کہا کہ "جب آیتوں کا مذاق اڑیا جارہا ہو تو وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔" جب وہ بُری باتیں چھوڑ دیں تو تم دوبارہ ان کے پاس بیٹھ سکتے ہو۔"

مولانا مفتی محمودؒ کو اپنے کارکنوں سے بہت محبت اور پیار تھا وہ کارکنوں اور ساتھیوں سے بڑی بے تکلفی اور خوشی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ انہوں نے کارکنوں کی کبھی دل شکنی نہیں کی میں نے انہیں بہت قریب سے دیکھا جب بھی وہ ملتان تشریف لاتے تو کارکنوں کی خیریت فرداً فرداً پوچھتے اگر کوئی کارکن موجود نہ ہوتا تو دوسرے ساتھی سے اس کی خیریت دریافت کرتے۔ وہ ہمیشہ کارکنوں سے ملتے وقت خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے ارگرد ہر وقت کارکنوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ وہ اکثر کارکنوں کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ جب بھی کسی کارکن کو کوئی تکلیف پہنچی تو وہ سیدھا مفتی صاحب کے پاس جاتا اور اپنا دکھ درد بیان کرتا۔ مفتی صاحب اس کی بات بڑے غور اور توجہ سے سنتے اور اس کی دادرسی کے لئے انتظامیہ سے رابطہ قائم کرتے وہ ہمیشہ کارکنوں کو جرائت مندی دیانتداری اور خود اعتمادی کی تلقین کرتے چونکہ وہ خود خود دار تھے۔ اپنے جماعتی کارکنوں اور ساتھیوں کو خود دار اور جرائت مند بننے کی نصیحت کرتے تھے ایک دفعہ مولوی غلام سرور جو جمعیت علماء اسلام کے سرگرم کارکن اور مفتی صاحب کے قریبی ساتھی ہیں ان کے بڑے بھائی کو پولیس نے ناجائز اور غیر قانونی طور پر گرفتار کر لیا۔ پولیس نے حسب روایت اس پر غیر انسانی تشدد کیا۔ مولوی سرور مفتی صاحب کے پاس پہنچا اور اپنے بھائی کی تشدد کی داستان مفتی صاحبؒ کو سنائی دوران گفتگو مولوی سرور نے رونا شروع کر دیا اس پر مفتی صاحبؒ کو غصہ آیا اور اسے ڈانٹا کہ بچوں کی طرح رو رہے ہو۔ بہادر بنو اور ظلم کا مقابلہ کرو۔ ہم تمام ساتھی مفتی صاحب کی اس بات سے بے حد متاثر ہوئے۔ یہ بات سن کر مولوی سرور نے رونا بند کر دیا اور اس میں حوصلہ پیدا ہوا۔ ان کے اس واقعہ سے پتہ

چلتا ہے کہ مفتی محمودؒ اپنے کارکنوں کو دلیر اور جرأت مند دیکھنا چاہتے تھے وہ ظالم حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے تھے لہذا وہ کارکنوں میں بھی خود اعتمادی پیدا کرنا چاہتے تھے ۔ وہ بے باک اور صاف گو انسان تھے ۔

کارکنوں سے از خود رابطہ پیدا کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور بے تکلفی سے پیش آنا ہر لیڈر کا کام نہیں ہے ۔ یہ خوبی صرف مفتی صاحب میں پائی جاتی تھی کہ وہ اپنے کارکنوں کو گلے لگاتے اور ان کی خیر و عافیت پوچھتے ۔

عوامی رہنما کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کی حوصلہ افزائی کرے اور ان کو اہمیت دے کیونکہ کارکن لیڈر کا بہت بڑا سرمایہ ہوتے ہیں ۔ مفتی محمود صاحب کے بے شمار ایسے واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر کارکنوں سے محبت کرتے تھے ۔

ایک دفعہ جمعیت علماء اسلام کے سرگرم کارکن چوہدری محمد ابراہیم ممبر یونین کونسل ۴۴ ایاز آباد مڈل تحصیل ملتان ، مفتی صاحب سے ملنے کیلئے مدرسہ قاسم العلوم گئے ان کے ہمراہ اس وقت شیخ محمد یعقوب تھے ، جب یہ دونوں حضرات مسجد کے اندر داخل ہوئے تو چاروں طرف لوگوں کا ہجوم تھا ۔ مفتی صاحب لوگوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے تھے ۔ اس وقت قاری نور الحق قریشی ناظم اعلیٰ صوبہ پنجاب ، مولانا عبدالرحیم اشعر ، حکیم حنیف اللہ خان اور مولانا عبدالقادر قاسمی وغیرہ موجود تھے ، چوہدری محمد ابراہیم نے جب لوگوں کا جمگھٹا دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ مفتی صاحب سے ہاتھ ملانا بہت مشکل کام ہے ۔ اس نے اپنی اس خواہش کا اظہار شیخ صاحب سے کیا شیخ صاحب نے بلا جھجک مفتی صاحب ابراہیم کا ضلعی شوریٰ کی

حیثیت سے تعارف کرایا۔ چونکہ ارگرد لوگ بیٹھے ہوئے تھے اس پر مفتی محمودؒ نے لوگوں کو کہا کہ راستہ دے دو۔ پس چوہدری ابراہیم مفتی صاحب سے ہاتھ ملانے کے لئے آگے بڑھے۔ مفتی صاحب نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا اور بڑی شفقت اور محبت سے پیش آئے اور اس کو اپنے پاس بیٹھا لیا اور کافی دیر تک خیریت دریافت کرتے رہے اگرچہ ابراہیم جماعت کا عام کارکن تھا۔ مگر مفتی محمودؒ کے اس حسن سلوک اور طرز عمل سے وہ بے حد متاثر ہوا اور سوچتا رہا کہ "مجھ جیسے عام کارکن کو مفتی صاحب نے اتنی زیادہ اہمیت دی ہے کہ جس کا میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا۔" مفتی صاحب کا اسے اپنے قریب بٹھانا اور اس کو اس قدر اہمیت دینا یہ اس کے لئے بہت بڑا اعزاز تھا بقول اس کے یہ میری زندگی کا ناقابل فراموش واقعہ ہے ،،

حضرت مولانا مفتی محمود اگست ۱۹۷۹ء کو ڈیرہ اسماعیل خان سے ملتان پہنچے پشاور کا موسم خراب ہونے کی وجہ سے جہاز مقررہ وقت سے دو گھنٹے لیٹ ہوگیا۔ ہمارے ملک میں حسب روایت گاڑیاں لیٹ ہوتی رہتی ہیں اور اب ہوائی جہاز بھی کئی گھنٹے لیٹ ہونا شروع ہوگئے ہیں۔ اس طرح مفتی صاحب کا جہاز بھی پیسنجر ٹرین کی طرح لیٹ ہوگیا۔ اس دن سخت دھوپ اور تپش کے باوجود کارکنوں کی بھاری تعداد نے ایئرپورٹ پر جمع ہوکر جس عقیدت و محبّت کا مظاہرہ کیا وہ قابل تعریف تھا۔ سخت گرمی اور دھوپ کے باوجود ہم رب کے عظیم قائد اور محبوب رہنما کا بے تابی سے انتظار کرتے رہے اور ساغر صدیقی کا یہ شعر گنگناتے رہے۔

کرتے رہے جو چاند ستاروں کی رہبری
کچھ لوگ منتظر ہیں انہیں رہنما ؤں

استقبال کرنے والوں میں قاری نورالحق قریشی، ملک عطاء اللہ، سید خورشید عباس گردیزی، حاجی محمد یعقوب، نور عالم قریشی، قاری محمود ادریس، حافظ نور احمد، حافظ مقصود، صوفی نور احمد، مولوی اسحاق، حاجی محمد شفیع، ناظم دفتر حافظ محمد رفیق، قاری شبیر، خواجہ عبدالروف، حاجی محمد حق نواز، حاجی ہدایت اللہ، حاجی محمد عثمان، خلیفہ محمد یعقوب، شیخ محمد یعقوب، خان رب نواز، خواجہ افضل ظہور عالم قومی اتحاد ملتان کے صدر ریٹائرڈ کرنل بشیر احمد مرزا، ڈی پی شیخ خلیل احمد، شیخ محمد اسلم اور ان کے ساتھی۔

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری فرمایا کرتے تھے کہ کارکن میرا اصل سرمایہ ہیں، کارکن میری برادری ہے، اور کارکن میری جائیداد ہیں، شاہ جی کارکنوں کی بڑی حوصلہ افزائی فرماتے تھے یہی صفت مولانا مفتی محمودؒ میں پائی جاتی تھی۔

مفتی محمود میں جہاں بہت سی خوبیوں کے مالک تھے ان میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ مہمان نواز تھے۔ جماعت کے کارکن جب کبھی مفتی صاحب سے ملنے کے لئے ڈیرہ اسماعیل خان یا اسلام آباد جاتے تو مفتی صاحب بڑی گرم جوشی سے پیش آتے اور مہمان نوازی کا بہت خیال رکھتے۔

ایک دفعہ حافظ نور احمد اور حافظ بشیر حال مقیم مدینہ منورہ ملاقات کرنے کے لئے اسلام آباد پہنچے تو اس وقت مفتی صاحب اسمبلی کے اجلاس کا بائیکاٹ کر کے ہوسٹل میں آچکے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ملک میں پیپلز پارٹی کی حکومت تھی اس وقت پولیس نے قومی اسمبلی کے ممبران کے ہوسٹل میں آنسو گیس پھینکا ہوا تھا۔ مفتی صاحب نے ملاقات میں کہا کہ تم دیر سے پہنچے ہو، اس کے بعد مفتی صاحبؒ انہیں کمرے میں لے گئے، اس وقت لوگوں کا کافی ہجوم تھا۔ مفتی صاحب کا کمرہ مہمانوں اور ملاقاتیوں کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ مفتی صاحب ہر آنے والے سے بڑی خوشی سے ملتے تھے۔ یہ دونوں دراصل مفتی محمودؒ کے مہمان ہے ان کا تعارف مفتی محمود نے اپنے ڈرائیور سے کرایا کہ ملتان سے آئے ہیں انہیں اسلام آباد کی سیر کرا کر لاؤ۔ دوسرے روز ان لوگوں نے مفتی صاحب کے ساتھ اکھٹے بیٹھ کر ناشتہ کیا۔

شاہ جیؒ کا زمانہ تھا۔ احرار کی مقبولیت عروج پر تھی۔ سیاسی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ رہنما کارکنوں کے جذبات کا خیال رکھتے تھے۔ اب نہ وہ کارکن رہے، نہ لیڈر، ہر طرف قحط الرجال ہے۔

اب ایسے لوگ چراغ رخ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔
شاہ جی بڑے دور اندیش انسان تھے۔ وقت کی رفتار سے اچھی طرح واقف تھے وہ ہر شخص کو اچھی طرح پرکھ لیتے تھے۔ شاہ جی بھی مفتی محمودؒ کی ذہنی اور سیاسی قابلیت کے معترف تھے۔

شاہ جیؒ کی مجلس لگی ہوئی تھی۔ خلیفہ محمد یعقوب اور احرار کے دوسرے کارکن شاہ جی کی خدمت میں حاضر تھے۔ شاہ جی نے مولوی قمر دین بوریوالہ سے پوچھا کہ مولوی عبداللہ کا کیا حال ہے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ٹھیک ہیں۔ دوران گفتگو شاہ جی نے فرمایا کہ میں نے ۱۹۵۲ء میں دو مرد مجاہد پاتے ہیں۔ ایک مولانا مفتی محمودؒ اور دوسرا مولوی عبداللہ بوریوالہ۔ اسی اثنا میں ایک شخص فتویٰ لینے کے لئے آ گیا۔ اس پر شاہ جی نے فرمایا اگر فتویٰ لینا ہے تو مفتی صاحب کے پاس جاؤ۔ جن الفاظ سے شاہ جی نے مفتی محمود کا ذکر کیا وہ لفظ بالفظ درست ثابت ہوئے اس وقت سے خلیفہ محمد یعقوب اور ان کے ساتھی مفتی صاحب سے بے حد متاثر ہوئے، مفتی صاحب کی علمی قابلیت اور دینی بصیرت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی سیاسی جدوجہد کی پوری تاریخ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ انہوں نے کبھی بھی حالات کے سمجھوتہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی حکمران سے کسی قسم کی سودے بازی کی۔

انہوں نے ہمیشہ جمہوریت اور اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔ ملک میں اکثر و بیشتر ایسے حالات پیدا ہوتے رہے جن کی وجہ سے جمہوریت کو مسلسل نقصان پہنچتا رہا، مگر آپ نے ایسے نامساعد حالات میں جمہوریت دشمن طاقتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کبھی بھی مخالف قوتوں کے سامنے سپر انداز نہیں ہوئے۔

اس مرد درویش نے ظالم حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں سرنگوں نہیں کر سکی، ایوب خان کی آمریت ہو یا بھٹو کی فسطائیت انہوں نے ہر دور کے ابوجہل سے ٹکر لی۔ ان کی پوری زندگی سے حزب اختلاف میں گزری۔ قومی زندگی میں مفتی صاحب کا کردار نمایاں طور پر رہا ہے انہوں نے ابن الوقت سیاست دانوں اور مفاد پرست لیڈروں کی طرح وقت کے حکمرانوں سے کبھی بھی سودے بازی نہیں کی یہی ان کا ایک عظیم کردار تھا جس کی وجہ سے وہ کروڑوں مسلمانوں کی حریت و فکر کی علامت بن گئے، ان کی پوری زندگی فسطائیت کے خلاف جنگ لڑنے میں گزری اور جابر و ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق بلند کیا۔

مفتی محمودؒ عزم و استقامت اور مضبوط قوت ارادی کے مالک تھے، ان کے حوصلے بلند تھے وہ ہمیشہ سوچ سمجھ کر سیاسی فیصلہ کرتے تھے، وہ باشعور اور صاحب الرائے تھے اس لئے وہ سیاسی مذاکرات کرتے وقت ہمیشہ حالات اور واقعات کو مدنظر رکھتے تھے۔ وہ عوام کی نفسیات سے اچھی طرح واقف تھے اور

ہمیشہ ملکی مسائل پر بحث کرتے تھے، شروع سے لے کر آخری دم تک جمعیت علماء اسلام سے وابستہ رہے ۔۔

وہ اُس اقتدار پسند سیاست دان کی طرح نہیں تھے جو ہر آنے والی برسر اقتدار جماعت میں شامل ہو کر اپنا جماعتی تشخص کھو دیتا ہے بلکہ وہ ایک مستقل مزاج سیاست دان تھے، انہوں نے ہمیشہ حزب اختلاف میں رہ کر عوام اور جمہوریت کی ترجمانی کی، اور کبھی بھی جماعتی مفاد کو خطرہ میں نہیں ڈالا، یہی ان میں سب سے بڑی خوبی تھی ۔۔

مخالف لوگوں نے آپ پر غداری اور کانگریسی ہونے کا الزام لگایا مگر آپ نے کوئی پرواہ نہیں کی، جن لوگوں نے آپ پر بے بنیاد الزامات لگائے، انہی لوگوں نے آپ کو اپنا قائد اور صدر تسلیم کیا ۔

ہمارے ملک میں یہ فیشن بن چکا ہے جب بھی کوئی شخص چور دروازے سے برسر اقتدار آتا ہے تو وہ فوراً حزب اختلاف کے لیڈروں پر غداری کا فتویٰ لگا دیتا ہے، اپنی تقریروں میں حزب اختلاف کے لیڈروں کو غدار اور ملک دشمن کہنا شروع کر دیتا ہے گویا اس کو پورا ملک غداروں اور اسلام دشمنوں کا ٹولہ نظر آتا ہے ،،

یہ اس ڈکیٹر کی سب سے بڑی غلطی ہوتی ہے جو بالآخر اس کے زوال کا سبب بنتی ہے ۔

ایوب خان جب برسر اقتدار آیا تو اس نے تمام سیاست دانوں کو ملک کی تباہی کا ذمہ دار ٹھہرایا ۔ حزب اختلاف کے لیڈروں کو ملک دشمن کہا ۔ تعمیری تنقید کرنے والے کارکنوں اور عوامی نقطہ نظر پیش کرنے والے جمہوریت پسند رہنماؤں کو جیلوں میں ڈال دیا ۔ ڈی پی آر ۔ دفعہ ۱۴۴ اور تحفظ

امن عامہ آرڈیننس جیسے کالے قوانین کا سہارا لے کر سیاسی کارکنوں کو نظر بند کر دیا۔"

جب ایوب خان نے دیکھا کہ میں سیاست دانوں کے تعاون کے بغیر حکومت نہیں چلا سکتا تو اس نے بڑی ہوشیاری سے مسلم لیگ کو سرقہ کر کے کنونشن لیگ میں تبدیل کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا مسلم لیگ کے بڑے بڑے جاگیردار اور موقعہ پرست سیاست دان جو اپنے آپ کو سیاست کے رستم و اسفند یار سمجھتے تھے وہ سب ایوب خان کے مطیع ہو گئے"

تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ خان عبدالغفار خان، حسین شہید سہروردی شیخ مجیب الرحمان، مولانا بھاشانی اور مولانا مفتی محمود پر ماضی کے حکمرانوں نے غداری کا الزام لگایا لیکن ملک کی کوئی عدالت بھی انہیں غدار ثابت نہیں کر سکی۔

ہمارے ملک میں یہ روایت ہے کہ یہاں محب وطن کو غدار اور غدار کو محب وطن کہا گیا یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

خان عبدالقیوم خان آج بھی غفار خان پر غداری کا الزام لگاتے ہیں، انہوں نے اپنے دور اقتدار میں بادشاہ خان اور سرحد کے سرخپوشوں پر غیر انسانی تشدد کیا، غفار خان کے حامیوں کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ عورتوں اور بچوں کو سرعام ذلیل و خوار کیا گیا، بھابڑہ فائرنگ کرا کے سینکڑوں بے گناہ لوگوں کو شہید کر دیا

خان عبدالغفار کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں ۱۲۴ الف کے تحت مقدمہ چلا تو جسٹس شبیر احمد کی عدالت میں خان عبدالقیوم خان نے شہادت دی اور کہا کہ میرا بھابڑہ فائرنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے، لہذا قیوم خان کے عدالتی بیان کے مطابق بادشاہ خان بے گناہ ثابت ہوا۔

اسی طرح ایوب خان شیخ مجیب الرحمان کے خلاف اگر تلہ کیس ثابت نہیں کرسکا پھر اس کے بعد جنرل یحییٰ خان نے شیخ مجیب الرحمان کے خلاف ملک توڑنے کے الزام میں مقدمہ چلایا لیکن یحییٰ خان بھی مجیب الرحمان کو مجرم ثابت نہیں کرسکا۔ لہذا پاکستان کی تاریخ کے یہ جھوٹے مقدمات بھی داخل دفتر ہو گئے مگر جنرل یحییٰ خان کو کسی نے غدار نہیں کہا جو حقیقت میں غدار تھا۔

مولانا مفتی محمود مشرقی پاکستان کو متحد کرنے کے لئے زبردست کوشش کی انہوں نے یحییٰ خان کو سیاسی حل تلاش کرنے کا مشورہ دیا مگر اس وقت جنرل یحییٰ خان پر اقتدار کا بھوت سوار تھا اور بھٹو کے ہاتھ میں استعمال ہو رہے تھے۔ نوکر شاہی اور بھٹو کے مشورہ سے یحییٰ خان نے مشرقی پاکستان کے لوگوں پر ملٹری اپریشن کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنگالیوں میں نفرت کے جذبات ابھرنے لگے۔ مشرقی پاکستان کا سیاسی حل تلاش کرنے کی بجائے بندوق کی نالی کا سہارا لیا۔ اس طرح مشرقی پاکستان کے محبّ وطن لوگوں کو ہم سے علیحدہ کر دیا۔

مفتی محمودؒ نے اس سلسلے میں انتھک جدوجہد کی کہ بنگال کے عوام مغربی پاکستان سے علیحدہ نہ ہوں انہوں نے اپنے اخباری بیانات اور تقریروں سے یہ ثابت کیا کہ ہم ایک پاکستان کی بنیاد پر یقین رکھتے ہیں اور مشرقی پاکستان کے لوگوں کو ان کا حق دلانا چاہتے ہیں مگر بھٹو یحییٰ گٹھ جوڑ سے پاکستان کے حالات روز بروز بگڑتے چلے گئے ادہر تم ادہر ہم کا نعرہ اور مارچ ۱۹۷۱ء کے اجلاس کا بائیکاٹ، تشدد یہ تمام باتیں پاکستان کی تباہی کی نشاندہی کرتی ہے۔

شیخ مجیب الرحمان نے مفتی محمود سے ملاقات کرتے ہوتے یہ انکشاف کیا تھا کہ یحییٰ خان کہتا ہے کہ مغربی پاکستان کے لیڈر تمہاری (مجیب الرحمان) کی بات نہیں مانتے۔ اس طرح جنرل یحییٰ خان لڑاؤ اور حکومت کرو کے فارمولے پر قائم رہا۔

ایک دفعہ مفتی محمودؒ نے مجیب سے کہا کہ آپ مسلمان ہونے کی حیثیت سے میری بات مان لیں اور حکومت کی شرطوں پر سمجھوتہ کریں۔ اس پر مجیب الرحمان نے کہا کہ مفتی صاحب اس حکومت پر مجھے اتفاق نہیں ہے

چوبیس سال سے اسلام اسلام کا نام لے کر مشرقی پاکستان کے لوگوں کو فریب دیا جا رہا ہے۔ اگر یہ لوگ اسلام سے مخلص ہوتے تو ابتدا ہی میں اسلام کو ملک میں نافذ کر دیتے تو ایسے حالات پیدا نہ ہوتے۔ ہم ایسے نہیں ہیں کہ اسلام سے منہ موڑ لیں۔ کاش سیاسی سمجھوتہ ہو جاتا تو پاکستان نہ ٹوٹتا۔

مفتی محمودؒ اور بھٹو صاحب اس وقت انٹر کانٹی نینٹل ڈھاکہ میں موجود تھے جب ملٹری اپریشن ہوا۔ ان دونوں حضرات نے فوجی اپریشن کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ بقول بھٹو کے ساڑھے دس بجے عشائیہ سے فارغ ہو کر ہم اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے ایک گھنٹے کے بعد توپوں کی گھن گرج سے ہماری آنکھ کھل گئی۔ میرے دوستوں کی خاصی تعداد میرے کمرے میں جمع ہو گئی اور ہم نے دیکھا کہ فوج نے کاروائی شروع کر دی ہے۔ ہم نے تین گھنٹے تک ہوٹل کے کمرہ سے اپنی آنکھوں سے ملٹری اپریشن دیکھا کئی مقامات پر آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے ہماری نظروں کے سامنے مقامی انگریزی روزنامہ دی پیپل کی عمارت زمین بوس ہو گئی۔

مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ ابھی ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں پہنچے ہی تھے کہ ایکشن ہو گیا ہر طرف گولیوں کی چلنے کی آوازیں آنے لگیں میرا آنا خطرہ میں پڑ گیا ہمیں اطلاع ملی کہ ایک جہاز مغربی پاکستان جا رہا ہے ہم کسی نہ کسی طریقے سے ایئر پورٹ پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تو معلوم ہوا کہ وہاں P.I.A کا عملہ موجود نہیں ہے پس ہم ایک مسافر بس کی طرح ہوائی جہاز میں داخل ہو گئے اور وہاں موجود عملہ کو کرایہ ادا کیا۔

مفتی محمودؒ کبھی بھی بھٹو اور اس کی پیپلز پارٹی سے خوف زدہ نہیں ہوتے۔ انہوں نے بھٹو کی زندگی میں پیپلز پارٹی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، وہ کسی مخالف طاقت سے خوف زدہ نہیں ہوئے اور نہ ہی انہیں کوئی مخالف قوت خوف زدہ کر سکتی تھی۔

وہ جمہوریت اور عوامی طاقت پر یقین رکھتے تھے اس لئے وہ اپنی زندگی آخری ایام تک انتخابات پر زور دیتے رہے۔

ایک دفعہ ہم مفتی صاحب پاس بیٹھے ہوئے تھے ہم میں سے کسی نے مفتی صاحب سے سوال کیا کہ آپ بار بار انتخابات کی بات کرتے ہیں اگر پیپلز پارٹی انتخابات میں کامیاب ہو گئی تو آپ کا کیا حشر ہو گا۔ اس پر مفتی صاحب نے مسکرا کر جواب دیا، کہ کوئی فکر کی بات نہیں ہے اگر عوام پیپلز پارٹی کو چاہتے ہیں تو اسے ووٹ دیں ہم انتخابات کے نتائج کو سچے دل سے قبول کر لیں گے۔ یہ ان کی جمہوریت پسندی کی واضح مثال ہے۔

مفتی صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے پنجاب کے ایک وکیل نے سوال کرتے ہوئے کہا کہ مظلوم بے نظیر اور نصرت بھٹو کالی چادریں اوڑھ کر پنجاب اور سندھ کا دورہ کریں گی تو لوگ ان کی حمایت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ بھٹو نے تحریک نظام مصطفےٰ میں جن ڈیڑھ ہزار نوجوانوں کو شہید کیا تھا، جب ان کی مائیں اور بہنیں کالی چادریں اوڑھ کر باہر نکلیں گی تو یہ چادریں ان میں گم ہو جائیں گی۔

اگر بھٹو کو قتل کی سزا ملی تو شہید ہو گیا، لیکن ان لوگوں کا مولانا شمس الدین شہید، خواجہ رفیق شہید، ڈاکٹر نذیر شہید، اسد اللہ مینگل سید منیر، اور دیگر سیاسی لیڈروں کے بارے میں کیا خیال ہے۔

مولانا مفتی محمودؒ نے جنرل ٹکا خان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ بنگال کے لاکھوں مسلمانوں کا قاتل ہے۔ اس پر تیرہ کروڑ انسانوں کے ملک توڑنے

کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

پیپلز پارٹی کے لوگ بھی مفتی صاحب پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ مارشل لاء کی حمایت کرتے ہیں حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔

جب ذوالفقار علی بھٹو نے جنرل یحییٰ خان سے اقتدار حاصل کیا تو اس نے ملک میں متواتر مارشل لا لگائے رکھا اور از خود بھٹو صاحب چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بن بیٹھے، بھٹو نے یہ بڑی مضحکہ خیز مثال قائم کی تھی

اور اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے چاروں صوبوں کے سول گورنروں کو ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنا دیا، صرف انہیں فوجی وردی نہیں پہنائی ورنہ وہ ایسا بھی کر دیتے۔

بھٹو اپنے آپ کو جمہوریت کا چیمپین کہتا تھا مگر یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ اس نے اسمبلی کے ممبران سے مارشل لاء کی حمایت میں ووٹ حاصل کیئے۔ بھٹو نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ اسمبلی کے اراکین نے مجھے مارشل لاء برقرار رکھنے کا اختیار دیا ہے ،،

بھٹو جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء کا خیر مقدم کرنے والے واحد سیاست دان تھے۔ اس نے برطانیہ کے ٹیلی ویژن کے نمائندے مسٹر نکولس کو کراچی میں انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ "مارشل لاء حکام نے عقلمندی سے کام لیا ہے۔ اور فوجی راج ایک حقیقت ہے سیاست دانوں کو اسے تسلیم کر لینا چا...

(روزنامہ ڈان کراچی ۷ اپریل سنہ ۱۹۶۷ء) ... ہیں کرتے تھے کہ ملک میں

بھٹو صاحب نے لندن کے ا... روایتوں کی سازش سے مفتی محمودؒ اور بھٹو

اگر سنہ ۱۹۶۵ء کی جنگ یحییٰ خان ... اس بات کا ثبوت پیپلز پارٹی کے حلقوں کو شکست فاش دے د

بھٹو کے بچپن کے دوست پیلو مودی "زلفی مائی فرینڈ" میں لکھا ہے کہ یحییٰ خان کو مارشل لاء لگانے کا مشورہ بھٹو صاحب نے دیا تھا یحییٰ خان نے جب مارشل لاء کا سہارا لیکر مشرقی پاکستان پر فوجی کارروائی کی اور بنگالیوں کا قتل عام کیا تو اس کی بھٹو نے مکمل حمایت کی تھی یحییٰ خان کی فوجی کارروائی پر بھٹو نے ڈھاکہ سے کراچی پہنچ کر کہا، "خدا کا شکر ہے پاکستان بچ گیا ہے"

بھٹو کے دستاویزی ثبوت اور بیان کی روشنی میں اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مارشل لاء کی حمایت اور تحفظ کرنے والے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ہیں یا مولانا مفتی محمودؒ

شہید، خواجہ رفیق شہید، ڈاک

اور دیگر سیاسی لیڈروں کے بارے میں کیا خیال

مولانا مفتی محمودؒ نے جنرل ٹکا خان پر تبصرہ کرتے

ہوئے لاکھوں مسلمانوں کا قاتل ہے۔ اس پر تیرہ کروڑ

بھٹو ایک شاطر سیاست دان تھا اس نے اپنی سیاسی جماعت کو مضبوط کرنے کے لیئے ملک کے سرکردہ سیاست دانوں سے از خود اور اپنی جماعت کے دوسرے لیڈروں کے ذریعے ملاقات کرنے کی کوشش کی اس کی یہ خواہش تھی کہ ملک کے سیاست دان ان کے ساتھ اتحاد کرلیں ان کی جماعتیں پیپلز پارٹی میں مدغم ہو جائیں۔ اس طرح بھٹو نے اپنی جماعت کے مختلف لیڈروں کو نیپ اور جمعیّت کے سرکردہ رہنماؤں کے پاس سیاسی مذاکرات کے لیئے بھیجا۔

بھٹو نے میر رسول بخش تالپور کو تجویز کیا کہ وہ بلوچ لیڈروں اور میلکل وغیرہ سے گفت و شنید کریں تاکہ پیپلز پارٹی کو بلوچستان کے عوام کی حمایت حاصل ہو سکے۔ مگر بھٹو کی آمرانہ اور عوام دشمن پالیسی کی وجہ سے نیپ اور پی پی پی کا اتحاد نہیں ہو سکا۔ بھٹو کی ہدایت پر شیرپاؤ نے ولی خان سے مذاکرات کیئے۔ اور ولی خان کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کی کہ بھٹو اور ولی خان ایک جماعت تشکیل کرلیں۔ شیرپاؤ کی یہ ذاتی خواہش تھی کہ دونوں پارٹیوں کا مفاد اسی میں ہے کہ ولی خان اور بھٹو ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر عوامی مفادات اور جمہوریت کے لیئے کام کریں۔ شیرپاؤ اس بات پر تیار نہیں تھا کہ پی پی پی کا اتحاد خان عبدالقیوم خان سے ہو۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن بھٹو نے مفتی محمود کے مقابلے میں ڈیرہ اسماعیل خان سے کاغذات نامزدگی داخل کیئے یہ بھٹو کی بہت بڑی سیاسی غلطی تھی۔ مفتی محمودؒ کے خلاف بھٹو کے کاغذات نامزدگی داخل کرانے میں مرزائیوں کا ہاتھ تھا، قادیانی اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ ملک میں مفتی بھٹو اتحاد ہو اس طرح مرزائیوں کی سازش سے مفتی محمودؒ اور بھٹو کے درمیان انتشار رہا۔ اس بات کا ثبوت پیپلز پارٹی کے حلقوں سے بھی ملتا ہے۔

قومی اسمبلی کے سپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان نے مجھے ایک ملاقات میں بتایا تھا کہ میں نے بھٹو کو یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ مفتی محمودؒ کے مقابلے میں انتخاب نہ لڑیں پیپلز پارٹی کے ایک اور سرکردہ لیڈر عبدالحلیم خان بابر نے بھی بھٹو کو یہی بات کہی تھی مگر مرزائیوں اور عوام دشمن عناصر نے ایک گھناؤنی سازش کر کے یہ اتحاد نہیں ہونے دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا مفتی محمود اور بھٹو کے درمیان چپقلش بڑھتی چلی گئی اور اس طرح دونوں سیاسی جماعتیں آپس میں متحد نہ ہو سکیں۔

ایک دفعہ پیپلز پارٹی کے مشہور لیڈر عبدالحلیم خان بابر کو بھٹو نے مفتی صاحب کے پاس بھیجا۔ حلیم خان بھٹو کا پیغام لے کر مفتی صاحب کے پاس پہنچا، اس وقت مفتی صاحب مدرسہ قاسم العلوم میں موجود تھے حلیم خان بابر نے بھٹو کی طرف اتحاد کی بات چیت کی۔ مفتی صاحب نے حلیم خان بابر کو جواب دیا کہ ہم مولانا غوث ہزاروی سے مشورہ کریں گے اس کے بعد آپ کو جواب دیں گے۔ کچھ عرصے کے بعد پھر عبدالحلیم خان بابر مفتی صاحب کے پاس دوبارہ پہنچا تو مفتی صاحب نے اس کو جواب دیا کہ آپ کی جماعت میں بڑے بڑے جاگیردار اور نواب ہیں ہمارا آپ کے ساتھ اتحاد نہیں ہو سکتا ہماری غریبوں کی جماعت ہے اور نہ ہی ہم آپ کی جماعت میں شامل ہو سکتے ہیں، بھٹو کی یہ بڑی خواہش تھی کہ مفتی صاحب ان کے ساتھ شامل ہو جائیں مگر بھٹو مفتی کے سیاسی سوچ و فکر اور عزائم سے واقف نہیں تھا کیونکہ بھٹو کا دینی اور سیاسی حلقوں کے مولویوں کے بارے میں یہ تاثر عام تھا کہ ہر مولوی کوثر نیازی ہے لہذا جس کو جس وقت چاہا جماعت میں شامل کر لیا اور جس وقت چاہا جماعت سے نکال دیا۔

مفتی محمودؒ کی قیادت سے پہلے ملک سیاسی جماعتیں فعال اور مضبوط نہ تھیں بلکہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم تھیں اور انتشار کا شکار تھیں۔ مفتی محمود نے تمام سیاسی جماعتوں کے اختلافات کو ختم کر کے ایک پلیٹ فارم پر متحد کیا اور انہیں گائیڈ لائن دی۔

ملک کی نو بڑی سیاسی جماعتوں نے ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف قومی اتحاد کے نام سے ایک سیاسی تنظیم قائم کی۔ پاکستان کے تمام طبقوں نے مفتی محمودؒ کی قیادت اور قومی اتحاد پر مکمل اعتماد کیا اور اس طرح کالعدم قومی اتحاد کے سابق صدر مولٰنا مفتی محمودؒ کی قیادت میں بھٹو کے خلاف ایک عظیم الشان تحریک چلی۔ اس ملک گیر تحریک کو ہر لحاظ سے عوام کی حمایت حاصل تھی۔ مفتی محمودؒ کی آواز پر پوری قوم نے لبیک کہا۔ پاکستان کے عوام نے مفتی صاحب کے حکم پر ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دینے سے گریز نہیں کیا۔ یہ ان کی انقلابی جدوجہد اور سیاسی بصیرت تھی کہ انہوں نے ایک تجربہ کار سیاست دان کی حیثیت سے ملک کی نو مختلف سیاسی جماعتوں کو جو نظریاتی طور پر ایک دوسرے کے خلاف تھیں انہیں یکجا کر کے ایک پرچم تلے جمع کیا۔

یہ مفتی محمودؒ کا تاریخی کارنامہ تھا کہ ملک کی تمام بڑی سیاسی جماعتوں نے اپنے اپنے اختلافات ختم کر کے انہیں اپنا متفقہ طور پر قائد اور صدر تسلیم کیا اور اپنی طرف سے تمام اختیارات مفتی صاحب کے سپرد کر دیے، سیاسی طور پر مفتی صاحب کے لئے یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا کہ جو جماعتیں شروع سے ان کے ساتھ متفق نہیں تھیں اور ان کے نظریات سے شدید اختلاف کرتی تھیں (کالعدم جماعت اسلامی اور کالعدم جمعیت علمآ پاکستان) ان سیاسی جماعتوں نے بھی حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مفتی محمودؒ کی سیاسی بصیرت اور عوامی قوت کی وجہ سے انھیں اپنا رہنما تسلیم کیا۔ یہ پاکستان کی سیاسی تاریخ کا بہت بڑا اعزاز تھا جو مفتی صاحب کو ملا۔

پاکستان کی تاریخ میں نظام مصطفٰے کی تحریک کو خاص اہمیت حاصل ہے اس ملک میں آج تک ایسی تحریک نہیں چلی ۔ دنیا کی تاریخ میں جہاں آمریت اور فسطائیت کے خلاف تحریکوں کا ذکر آئے گا تو وہاں نظام مصطفٰے کی تحریک کو اوّلیت حاصل ہو گی فرسودہ اور آمرانہ نظام کے خلاف ملک گیر تحریکیں اکثر ملکوں میں چلتی رہی ہیں، لیکن جو اہمیت نظام مصطفٰے کی تحریک کو تھی اس کی مثال کسی ملک میں بھی نہیں مل سکتی مفتی صاحب کی آواز پوری قوم نے لبیک کہا اور اس طرح پاکستان کے جیالے عوام نے انہیں اپنا قائد اور رہنما تسلیم کیا ہے

یہ رتبہ بلند ملا جسے مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اس عظیم الشان ملک گیر تحریک کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ عوام کا دباؤ حکومت پر اتنا بڑھ چکا تھا کہ سرکاری محکموں کے اعلیٰ افسروں نے بھٹو کے احکام ماننے سے انکار کر دیا تھا حالانکہ اس وقت ملک کا وزیر اعظم بھٹو تھا مگر عوامی قوت کی وجہ سے ملک کی نوکر شاہی نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب بھٹو سیاسی طور پر دم توڑ چکا ہے اور اب وہ برائے نام وزیر اعظم ہے اور اصل طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ قومی اتحاد کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور طاقت کو دیکھ کر نوکر شاہی خوفزدہ ہو گئی اور اپنے احتساب کا خطرہ آنے لگا لہذا اس طرح انتظامیہ پر بھٹو کی گرفت کمزور پڑ گئی ۔

ملک گیر عوامی تحریک سے خوفزدہ ہو کر پیپلز پارٹی کے ابن الوقت اور مفاد پرست رہنماؤں نے استعفٰے دینے شروع کر دیے ۔ انہیں پوری طرح یقین ہو چکا تھا کہ اب کالعدم پیپلز پارٹی عوامی اور سیاسی محاذ پر قومی اتحاد سے شکست کھا چکی ہے اب ان کے لئے صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ

پاکستان کے عوام کی نظروں میں ذلیل وخوار ہونے کی بجائے قومی اتحاد میں سیاسی پناہ حاصل کرلیں لہذا اس طرح انہوں نے قومی اتحاد کی عوامی قوت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے آپ کو قومی اتحاد سے وابستہ کرلیا۔

مفتی محمود صاحب کا موقف یہ ہے کہ قومی اتحاد ایک سیاسی پلیٹ فارم ہے جو تمام علاقوں اور طبقوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ اختلاف کی باتیں کالعدم جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے کی جا رہی ہیں جمعیت چاہتی ہے کہ تمام فیصلے اتفاق رائے سے ہوں۔ اکثریت سے کوئی فیصلہ نہ ہو اس سلسلہ میں مفتی صاحب نے کہا تھا کہ ہر معاملہ اتفاق رائے سے طے نہیں ہو سکتا لہٰذا معمولی سا اختلاف بھی اس طرح دور نہیں ہو سکتا اور اختلاف ہونا فطری امر ہے۔ قومی اتحاد کی مرکزی کونسل میں اگر اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ بھی اکثریت رائے سے کیا جائے گا۔
اگر ایسا نہ کیا گیا تو قومی اتحاد کی مرکزی کونسل میں سیاسی عمل رک جائے گا اور قومی اتحاد جامد ہو کر رہ جائے گا۔ مفتی صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں یہ مثال دی کہ جب رفیق احمد باجوہ کو قومی اتحاد سے نکال دیا گیا اور نئے جنرل سیکرٹری کا انتخاب ہوتا تھا تو اس وقت تین نام پیش ہوتے ایک پروفیسر عبدالغفور کا، ایک میاں محمود علی قصوری کا، اور ملک قاسم کا، پیر صاحب نے اپنے نمائندے ملک قاسم کا نام واپس لے لیا لہٰذا اس موقع پر دو امیدوار رہ گئے۔ اس پر جب اتفاق نہ ہو سکا تو ووٹنگ ہوئی۔ اس موقع پر میں نے (مفتی محمودؒ) خفیہ رائے شماری کا اہتمام کیا اور پروفیسر غفور منتخب ہو گئے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس رائے شماری نے خود نورانی میاں نے بھی اپنا ووٹ دیا اور قصوری کے حق میں استعمال کیا اختلاف ہونے کی صورت میں قومی اتحاد کی مرکزی کونسل کے فیصلے افہام و تفہیم سے ہوتے جائیں اگر ایسا نہ ہو تو مجبوراً ووٹنگ کی جائے ایسی صورت میں ڈیڈ لاک دور ہو جائے گا۔
مفتی صاحب نے اپنے موقف دلیل دیتے ہوئے یہ کہا کہ اگر اختلاف کرنے والے کو یہ احساس ہو جائے کہ اس کے پاس ویٹو کی طاقت ہے۔ تو وہ

اجتماعی فیصلے کو تہس نہس کر سکتا ہے۔

قومی اتحاد کے اجتماعی مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مولانا مفتی محمود اور پروفیسر عبدالغفور نے یہاں تک پیش کش کی کہ وہ صدارت اور سیکرٹری کا عہدہ چھوڑنے کے لئے تیار ہیں، مگر نورانی صاحب بضد رہے۔

مولانا مفتی محمود نے نورانی صاحب کو مصالحت اور مفاہمت کی بار بار دعوت دی کہ نورانی صاحب کالعدم قومی اتحاد سے نہ نکلیں اس سلسلہ میں انہوں نے کئی بار اپنے استعفٰی کی پیش کش کی اور مفتی صاحب نے کہا کہ اگر نورانی صاحب قومی اتحاد کے صدر بننا چاہتے ہیں تو بڑے شوق سے بن سکتے ہیں میں ان کے راستے میں ہم کاوٹ بننا نہیں چاہتا۔

نورانی نے مفتی محمود کے خلاف اخبارات میں غیر ذمہ دارانہ بیانات دیئے مگر مفتی صاحب نے کوئی پرواہ نہیں کی حالانکہ وہ بھی اس قسم کے بیانات دے سکتے تھے مگر انہوں نے قومی مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ مفتی صاحب نے ہمیشہ ایک سنجیدہ اور دوراندیش سیاست دان ہونے کی حیثیت سے نورانی صاحب کو گلے لگانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

مفتی صاحب نے کئی بار اپنے دوستوں اور سردار عبدالقیوم سے اس بات کا ذکر کیا اگر وہ اس بات پر راضی ہو جائیں تو میں یہ منصب چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے لوگوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے یہ ان کی فراخدلی اور وسعت نظر تھی کہ انہوں نے گالیاں کھانے کے باوجود بھی اس بات کا کوئی نوٹس نہ لیا اور نورانی صاحب کو بار بار اتحاد کی دعوت دیتے رہے۔

پاکستان قومی اتحاد کے رہنماؤں نے مسجدوں میں یہ عہد کیا تھا کہ ہم

ایک تنظیم کی حیثیت سے نظام مصطفٰے کے لئے جدوجہد کرتے رہیں گے اور ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز بھی پڑھتے رہے اور عوام کے سامنے خدا تعالیٰ سے یہ عہد کرتے رہے کہ ہم ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوں گے۔ مگر نورانی کا قومی اتحاد سے الگ ہونا اور اس کے خلاف غیر ذمہ دار بیانات دینا ان کی غلط سوچ کا نتیجہ ہے۔ ان کے منفی طرز عمل اور انتشار سے ملک کے عوام کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا جس کی تلافی نہیں ہو سکتی اس طرح نورانی نے قومی اتحاد کو نقصان پہنچا کر تحریک نظام مصطفٰے کے شہیدوں کی روحوں کو تکلیف پہنچائی۔

اصغر خان کے بارے میں مولانا مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے ۔ کہ ائیر مارشل کے معنے ہوائی مارشل ہے ۔ وہ وزیر اعظم کا خواب دیکھ رہے ہیں ۔ اصغر خان کسی خوش فہمی کا شکار ہیں وہ پہلے لیڈر ہیں جنہوں نے قومی اتحاد سے علیحدگی کا اعلان کیا انہوں نے قومی اتحاد سے علیحدگی اختیار کر کے عوام کے جذبات کو مجروح کیا ہے ۔ وہ کوئی ایسا حلقہ دکھا دیں جہاں سے وہ خود الیکشن لڑ کر کامیاب ہو سکیں ۔

کسی محفل میں اصغر خان کے بارے میں گوہر ایوب تبصرہ کر رہے تھے کہ قومی اتحاد سے نکل کر اصغر کی حیثیت صفر رہ جاتی ہے ۔ قومی اتحاد کے تو لیڈر اپنے اپنے حلقے سے آسانی سے کامیاب ہو سکتے ہیں ۔ انہوں نے کہا مفتی محمود ڈیرہ اسماعیل خان سے ، نورانی کراچی سے ، شیر باز مزاری ڈیرہ غازی خان سے ، پیر پگارا سندھ سے ، سردار عبدالقیوم آزاد کشمیر سے ، خان ولی خان پشاور سے ، مگر اصغر خان ملک کے کس حلقے سے کامیاب ہو سکتے ہیں ؟ اتحاد سے نکل کر اصغر خان کی سیاسی حیثیت بالکل ختم ہو جاتی ہے ۔ گوہر ایوب نے پوری ذمہ داری سے کہا کہ میں ایبٹ آباد اور ہزارہ سے اصغر خان کو شکست دے سکتا ہوں ۔"

جب مولانا مفتی محمودؒ سہالہ میں نظر بند تھے تو اس وقت بھٹو نے مذاکرات کے لئے مفتی محمودؒ کو قائل کرنے کی کوشش کی۔ بھٹو نے عرب کے مختلف سفیروں کو ان کے پاس بھیجا تاکہ کسی صورت میں مفتی محمودؒ مذاکرات کرنے میں اپنی رضامندی ظاہر کردیں۔ آخر میں مسٹر بھٹو نے رابطۂ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل شیخ محمد علی الحرکان کو سہالہ جیل میں بھیجا تاکہ محمد الحرکان کی کوششوں سے تصفیہ کی فضا پیدا ہو جائے۔ ملاقات کے دوران ایک موقع پر محمد علی الحرکان کے مذاق میں کہا کہ مفتی صاحب آپ تو بڑے مزے میں ہیں یہ کیا جیل ہے۔ آپ کو ہر طرح کا آرام ہے۔ اس پر مفتی محمودؒ صاحب نے کہا جیل دراصل آزادی چھن جانے کے احساس کا نام ہے۔ دکھ سکھ تو انسان برداشت کر سکتا ہے مگر یہ احساس جو ہے اس کی تکلیف ناقابل برداشت ہے محمد علی الحرکان نے بھٹو کے اشارے پر مفتی صاحب کو رام کرنے کی کوشش کی تاکہ کسی نہ کسی طرح سے مفتی صاحب رضامند ہو جائیں اور سیاسی تصفیہ کی صورت نکل آئے۔ مفتی محمودؒ مضبوط قوت ارادی کے مالک تھے جو فیصلہ کر چکے تھے وہ اٹل تھا وہ اپنے آخری فیصلے پر قائم رہے۔

دستور سازی میں پاکستان کو بڑے مشکل مراحل سے گزرنا پڑا قیام پاکستان کے بعد آئین بنانے کا مسئلہ درپیش تھا عبوری طور پر حکومت نے ترمیمی صورت میں ۱۹۳۵ء کا دستور اختیار کیا گیا۔ یہ دستور اس وقت تک برقرار رہا جب تک پاکستان کا نیا دستور وضع نہ کر لیا گیا ہو۔

دستور سازی نہ ہونے کی وجہ سے ملک کو زبردست نقصان پہنچا عوام نے حکومت وقت سے بار بار مطالبہ کیا کہ ملک کے لئے ایک جمہوری دستور وضع کیا جائے چنانچہ آئین سازی کے لئے عوام کے مطالبات نے شدت اختیار کر لی۔ ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء نواب زادہ لیاقت علی خان کی تحریک مجلس دستور ساز نے قرارداد مقاصد منظور کی جس کی روشنی میں پاکستان کا دستور وضع کرنا قرار پایا۔

خواجہ ناظم الدین نے حالات کو مدنظر رکھتے ہوتے عوام کے سامنے ایک دستوری خاکہ پیش کیا مگر وہ قبول عام نہ ہو سکا، اسی اثنا میں قادیانیوں کے خلاف ملک گیر تحریک شروع ہو گئی، خواجہ ناظم الدین ملک کا نظم و نسق سنبھالنے میں ناکام ہوتے لہذا ۱۶ اپریل ۱۹۵۲ء خواجہ ناظم الدین کی چھٹی ہو گی۔ اس وقت کے گورنر جنرل غلام محمد نے امریکہ میں پاکستان کے سفیر محمد علی بوگرہ کو بلا کر ملک کا وزیر اعظم بنا دیا۔

ملک غلام محمد ایک آمرانہ ذہن کے مالک تھے وہ اپنے آپ کو زیادہ طاقتور دیکھنا چاہتے تھے، اس نے ناجائز اختیارات استعمال کر کے اسمبلی توڑ دی لہذا دستور بنانے کا کام کھٹائی میں پڑ گیا۔

ون یونٹ کے قیام کے بعد جلد ہی دستوری سازی کا کام شروع کیا گیا چوہدری محمد علی نے ملک کو ایک نیا دستور دینے کا وعدہ کیا چنانچہ جنوری ۱۹۵۶ء کو آئین کا مسودہ بنا کر قانون ساز اسمبلی میں پیش کر دیا گیا لہذا اسمبلی نے اُسے

منظور کر لیا۔ ۲ مارچ کو گورنر جنرل نے اس پر دستخط کر دیئے اور ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو دستور پورے ملک میں نافذ کر دیا گیا۔

۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو سکندر مرزا نے ملک کے ساتھ غداری کر کے دونوں صوبائی حکومتیں برطرف کر دیں۔ قانون ساز اسمبلی توڑ دی گئی، دستور منسوخ کر کے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ سکندر مرزا نے اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کے لئے سیاست دانوں کو ذمہ دار ٹھہرایا، سکندر مرزا نے اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے فوج کا سہارا لیا چنانچہ ایوب خان کو فوج کا کمانڈر انچیف بنا دیا گیا۔ ۲۷ اکتوبر کو ایوب خان نے ایک خاموش انقلاب کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ سکندر مرزا کی چھٹی کرا دی گئی۔ ایک غاصب کے ذریعے دوسرا غاصب آ گیا اور پھر چور دروازے سے آنے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔

۱۹۶۲ء میں صدر ایوب نے ملک کو نیا دستور دینے کا اعلان کیا یہ دستور اپنے اندر جمہوری خصوصیات نہیں رکھتا تھا اس لئے عوام نے اُسے مسترد کر دیا ایوب خان خود ہی اقتدار کا سرچشمہ بن گئے اور تمام اختیارات پارلیمنٹ کی بجائے اپنے پاس رکھ لیے، یہ آئین عوامی اُمنگوں کے بالکل برعکس ثابت ہوا اس دستور کے بارے میں ایک مرتبہ مرحوم جسٹس کیانی صاحب نے کہا تھا کہ ایوب خان کا آئین لائل پور کا گھنٹہ گھر ہے"

غیر جمہوری دستور ملک کے لئے سازگار ثابت نہ ہو سکے لہٰذا ان کے بعد دیگر آئین منسوخ ہوتے گئے، جن کی وجہ سے ملک میں ایک آئینی بحران پیدا ہو گیا۔ بھارت، برطانیہ، امریکہ اور اسی طرح دوسرے جمہوری ممالک میں آج تک آئین برقرار ہیں، حکومتیں بدلتی رہتی ہیں مگر آئین کبھی بھی منسوخ نہیں ہوتا دوسرے ملکوں کے حکمران آئین کو ایک مقدس دستاویز سمجھتے ہیں اور آج تک انہوں نے کبھی

ایسی جسارت نہیں کی کہ ملک کا دستور منسوخ کر دیا جائے، زندہ قومیں ہمیشہ قانون کی حکمرانی اور آئین کی بالادستی پر یقین رکھتی ہیں۔

بدقسمتی سے پاکستان میں آئین موسم کی طرح بدلتے رہتے ہیں۔ ہر آنے والا حکمران دستور کو منسوخ کرتا رہا ہے۔ ایک حکومت نے آئین بنایا دوسری حکومت نے اُسے منسوخ کر دیا۔ آئین ہمارے ملک میں کھلونا بن کر رہ گئے ہیں ہم آئین کے تقدس کو پائمال کرتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان نے عوام کو عرصہ دراز تک آئینی بحران کا سامنا کرنا پڑا۔

آئین کے بغیر دنیا میں کوئی حکومت نہیں چل سکتی۔ دستور ملک کے لئے انتہائی ناگریز چیز ہے۔ اس کے بغیر ملک کا نظم و نسق چلانا ناممکن ہے۔ آئین کا قیام جمہوریت اور ملک کی بقا کے لئے بے حد ضروری ہے، لہذا دستور کے بغیر ریاست کا نظام جمہوری خطوط پر نہیں چل سکتا۔

مفتی محمود صاحب، ایک جمہوریت پسند اور دور اندیش سیاست دان تھے اس لئے انہوں نے آئین کی تکمیل کے لئے بھرپور کوشش کی، پاکستان کے عوام کو اس وقت جمہوری آئین کی ضرورت تھی اور ایسے آئین کے لیے تمام صوبوں کی حمایت کا ہونا ضروری تھا چنانچہ مفتی محمودؒ نے اس سلسلہ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اگر اس مرحلہ پر کالعدم جمعیت علماء اسلام اور کالعدم نیشنل عوامی پارٹی تعاون نہ کرتی تو ملک کا وفاقی آئین نہیں بن سکتا تھا لہذا مفتی صاحب کے تعاون ہی کی وجہ سے ۱۹۷۳ء کا آئین معرض وجود میں آیا

مفتی صاحب کا یہ کمال تھا کہ انہوں نے تمام اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک جمہوری آئین بنانے میں ایک تاریخی کردار ادا کیا۔ مفتی صاحب بحیثیت ایک سیاست دان یہ جانتے تھے ملک اور جمہوریت کی بقا اسی میں ہے کہ

عوام کو ایک جمہوری دستور دیا جائے چنانچہ انہوں نے قومی مفادات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آئین بنانے میں اس وقت کی حکومت کے ساتھ تعاون کیا لہٰذا مفتی صاحب کے تعاون اور اشتراک سے ۱۹۷۳ء کا آئین بنا۔

بلوچستان سے قومی اسمبلی میں پیپلز پارٹی کا کوئی نمائندہ نہیں تھا اس کے بغیر وفاقی آئین کی تشکیل ناممکن تھی چنانچہ مفتی صاحب نے آئینی تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نیشنل عوامی پارٹی کا تعاون حاصل کیا اور دستور سازی میں ایک تاریخی کردار ادا کیا۔ آئین میں اسلامی دفعات شامل کرنے اور صوبائی خودمختاری کی حدود متعین کرنے میں مفتی صاحب اور اس کے رفقاء نے نمایاں کردار ادا کیا لہٰذا اس طرح ۱۹۷۳ء کا آئین وجود میں آیا جن پر ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے دستخط موجود ہیں ؎ ،،

مفتی محمودؒ اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے بڑے ہشاش بشاش نظر آرہے تھے آنے جانے والے لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے اور کسی کو بھی اِس بات کا یقین نہیں تھا کہ مفتی صاحب اچانک اللہ کو پیارے ہو جائیں گے۔

ملاقات کرنے والوں میں خان ولی خان، شیر باز مزاری، عابد زبیری، اور دوسرے لیڈر تقریباً ۱۱ بجے کے قریب مفتی محمد شفیع صاحب کے صاحبزادگان مولانا تقی عثمانی اور مولانا رفیع عثمانی مفتی صاحب سے ملاقات کرنے آئے مفتی صاحب نے خود اٹھ کر ان کا استقبال کیا اور انہیں مہمان خانہ میں لے گئے جہاں ان حضرات نے فرش پہ بیٹھ کر زکوٰۃ کے موضوع پر تبادلہ خیال کیا۔ مفتی محمودؒ نے زکوٰۃ کے اہم نکات پر عالمانہ انداز میں بحث کرتے ہوئے انہیں اپنے علمی دلائل سے قائل کر رہے تھے کہ اچانک ان کی روح جسد خاکی سے پرواز کر گئی ؎

زمانہ بڑے غور سے سن رہا تھا
ہم سو گئے داستان کہتے کہتے

مفتی محمود نے کراچی جانے سے ایک دن قبل راقم الحروف کو بلایا اور ہدایت کی کہ جمعیت علماء اسلام کی طرف سے "یوم حقوق انسانی" منایا جائے۔ اس روز میں شام کے وقت اپنے گھر سے روانہ ہوا کیونکہ مفتی صاحب کا بلاوا تھا اس سے بڑا خوشی کا لمحہ میرے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ میرے قائد نے مجھے یاد فرمایا تھا یہ میرے لئے بہت بڑی سعادت تھی۔

میں نے حسب ہدایت یوم حقوق انسانی کے موضوع پر ایک قرارداد مرتب کی اس کی فوٹوسٹیٹ بنا کر عبداللہ خادم کے ذریعے مختلف مسجدوں اور جماعت کے یونٹوں میں بھجوا دی۔ یوم حقوق انسانی کے موضوع پہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ سے یہ میری آخری ملاقات تھی۔

میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ انسانی حقوق کا تحفظ کرنے والا عظیم انسان بہت جلد ہم سے رخصت ہو جائے گا مجھے مفتی محمودؒ صاحب کی موت کی خبر اچانک موصول ہوئی اس روز میں کچہری سے فارغ ہو کر کسی کام کے سلسلے میں مدرسہ قاسم العلوم جارہا تھا جب میں دارالاہتمام میں داخل ہوا جہاں مفتی صاحب کبھی دوستوں کی محفل جمائے رکھتے تھے، اس وقت مولانا عبدالرحمٰن محمد قاسم، مولانا عبدالقادر قاسمی، قاری محمد طاہر ایک اور صاحب جن کا میں نام نہیں جانتا کمرے میں موجود تھے یہ تمام حضرات غم گسار نظر آتے تھے۔ قاری محمد طاہر صاحب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

انہوں نے مجھے دیکھتے ہی غم ناک آواز میں کہا مفتی صاحب کا انتقال ہو گیا ہے ابھی کراچی سے ٹیلیفون پر خبر آئی ہے۔ پس پھر کیا تھا یہ المناک خبر مجھ پر بجلی کی طرح گری میرے کان یہ غمناک خبر سننے کے لئے تیار نہیں تھے اور مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ مفتی صاحب اتنی جلدی جہان فانی سے رخصت ہو گئے ہیں۔

مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں مسنون عمر گزار چکا ہوں اب جو عمر گزر رہی ہے وہ اضافی ہے کیونکہ مفتی صاحب کی عمر سن عیسوی سے ۶۱ برس تھی اور سن ہجری کے مطابق ۶۳ سال بنتی تھی اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بھی ۶۳ سال تھی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اسی مناسبت سے مفتی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میری اصل عمر وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ بات بہت پسند آئی چنانچہ آپ کو اسی عمر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلا لیا۔

عالم کا دنیا سے رخصت ہو جانا قوم کا عظیم نقصان ہے جن کی تلافی کہیں صدیوں میں جا کر ہوتی ہے عالم کے اٹھ جانے سے ملک سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اٹھ جاتی ہے ایسے بزرگوں کا وجود ملک اور قوم کے لئے باعث رحمت ہے۔

انسان دنیا سے چلا جاتا ہے لیکن اس کی سہانی یادیں باقی رہتی ہیں مفتی محمودؒ دوستوں کی محفل کی زینت تھے وہ کارکنوں سے بڑی بے تکلفی اور دوستانہ ماحول گفتگو کرتے تھے، آج مدرسہ قاسم العلوم کے در و دیوار اداس نظر آتے ہیں مفتی صاحب کا گھر اور ان کا مدرسہ تصویرِ ماتم بنا ہوا ہے۔ نہ وہ محفلیں رہیں نہ وہ انسان باقی رہے۔

آج وہ عظیم انسان جو قوم کو کبھی خواب غفلت سے بیدار کرتا تھا عبدالخیل میں ابدی نیند سو رہا ہے اس عظیم ہستی کا نہ تو کوئی سنگ مرمر کا مقبرہ ہے اور نہ ہی فلک بوس مزار صرف اس کے کارنامے اس کی عظمت کے نشان ہیں،

سیماب اکبرآبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

میں بعد مرگ بھی بزم وفا میں زندہ ہوں

تلاش کر مری محفل مرا مزار نہ پوچھ

حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب۔ مفتی محمودؒ کی وفات پر اظہار تعزیت کرنے کے لیے ۱۸/۱۰/۸۰ء کو مدرسہ قاسم العلوم ملتان پہنچے۔ رات کو بعد نماز عشاء مسجد میں تعزیتی اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں مولانا اسعد مدنی صاحب نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے فرمایا کہ حقیقت میں پوری ملت کے لیے اور خصوصاً مسلمانوں کے ان اداروں کے لیے مفتی صاحبؒ کا وجود اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت تھی، خصوصاً اس لحاظ سے کہ آپ کے مسلک میں اور ابھی دوسرے دینی اداروں کو ان کی ضرورت تھی۔ ان کی وفات سے خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ اس وقت ہم تمام پریشان ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا انتظام ہے وہی پورے عالم کا خالق ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے کمالات دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی اور مقدرت سے اور اپنی طاقت سے اٹھا لیتا ہے اور اس طرح اللہ کے بندے اللہ کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ یہ اللہ کا نظام ہے۔ یہاں انسان بے بس اور مجبور رہے جاتے تو سب ہیں کسی کے جانے کا غم ایک فرد کو ہوتا ہے، کسی کے جانے کا غم ایک گھر کو ہوتا ہے، کسی کے جانے کا ملّت کو ہوتا ہے، مفتی محمودؒ جیسے ذہین و فطین انتھک محنت کرنے والی شخصیت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دی تھی اسی ہی نے واپس لے لی ہے۔ وہی ہمارے وسائل پیدا کرنے والا ہے اسی سے توقع کرنی چاہیئے۔ آپ حضرات کو مفتی صاحبؒ کے تعلق کا لحاظ رکھنا چاہیئے جن اداروں سے ان کا تعلق تھا انہیں مفتی صاحب کے کام کو باقی رکھنا چاہیئے۔ جن لوگوں کا تعلق مفتی صاحب سے تھا ان لوگوں کا بھی آپ کو خیال رکھنا چاہیئے اور نبھانا چاہیئے۔

یہ دنیا ہے ہم سب لوگ کچھ دنوں کے لیے آتے ہیں اللہ کی رضا کیلئے کچھ کام کر جائیں اگر اس کی رضا کے خلاف کوئی کام کیا تو تمام کام وبال جان بن جائیں گے۔

مولانا حفیظ الرحمان عاصی نے مفتی صاحب کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے فرمایا کہ مفتی صاحب ایک عظیم انسان تھے ان کی وفات سے دینی علمی اور سیاسی حلقوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے وہ چراغ ہدایت تھے۔ ایسے رہنما کہیں صدیوں میں جاکر پیدا ہوتے ہیں۔ پوری جماعت میں ان کا کوئی نعم البدل نہیں ہے ان کے کارنامے ہماری آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہیں ان کی دینی اور سیاسی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

۲۹/۱۲/۸۰ کو خاکسار تحریک کے رہنما خان محمد اشرف خان نے مجھے بتایا کہ میر رسول بخش تالپور سابق گورنر صوبہ سندھ کل ملتان تشریف لائیں گے۔ میر صاحب نے بذریعہ خیبر میل لاہور سے ملتان پہنچنا ہے۔ وہ مفتی محمودؒ کی تعزیت کرنے کے لئے خاص طور پر ملتان آرہے ہیں چنانچہ خان محمد اشرف خان چوہدری محمد یعقوب کنگ ایڈووکیٹ اشرف خان کے بڑے بھائی شیر نواب خان اور راقم الحروف تالپور کو لینے کے لئے بذریعہ کار اسٹیشن پر پہنچے۔ گاڑی حسب روایت لیٹ تھی، میر صاحب انتظار میں پلیٹ فارم پر گھومتے رہے خدا خدا کر کے گاڑی آئی۔

میں میر رسول بخش تالپور سے مل کر بے حد متاثر ہوا وہ ان بزرگ سیاست دانوں میں سے ہیں جو جمہوریت اور عوامی حقوق کے تحفظ کے لئے ہمیشہ زیر عتاب رہے ہیں۔ ماضی کے حکمرانوں نے کئی بار میر صاحب کو پابند سلاسل کیا۔ میر صاحب نہ صرف صوبہ سندھ بلکہ ملک کے ممتاز سیاست دان ہیں اور پرانے خاکسار ہیں غائبانہ طور پر حیدرآباد سندھ کے لوگوں سے ان کی بہت تعریف سنی تھی۔

وہ سندھی اور مہاجر میں یکساں مقبول ہیں۔ مجھے ان سے ملاقات کر کے بے حد خوشی ہوئی۔ ان کے کردار اور گفتار سے بے حد متاثر ہوا۔

میں نے میر صاحب سے سیاسی موضوعات پر تبادلہ خیال کرتے ہوئے ان سے یہ سوال کیا کہ میر صاحب بہت سے لوگ یہ محسوس کرتے ہیں کہ کالعدم پیپلز پارٹی دوبارہ برسر اقتدار آجائے گی میر صاحب نے بڑے اعتماد اور ذمہ داری سے کہا نہیں سائیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ پیپلز پارٹی دوبارہ آئے۔ انہوں نے بڑے اچھے انداز میں یہ دلیل دی کہ پاکستان

کی یہ سنّت ہی نہیں ہے کہ ایک دفعہ سیاسی جماعت برسراقتدار آنے کے بعد دوبارہ اقتدار میں آئے یہ بات ناممکن ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلم لیگ جو پاکستان کے خالق ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ وہ بھی ایک مرتبہ اقتدار میں آئی ہے اُسے بھی دوسری بار حکومت نصیب نہیں ہوسکی یہ بات بھول جانا چاہیئے کہ اب پیپلز پارٹی دوبارہ برسراقتدار آئے۔

دوسرے دن میر رسول بخش تالپور، خان محمد اشرف خان، محمود نواز بابر ایڈوکیٹ اور راقم الحروف مدرسہ قاسم العلوم پہنچے۔ وہاں تالپور صاحب نے صاحبزادہ فضل الرحمٰن سے اظہار تعزیت کیا اور دعاء مغفرت کی میر صاحب ہدیہ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ "مفتی محمودؒ صاحب سے میری آخری ملاقات سول ہسپتال کراچی میں ہوئی تھی جب وہ وہاں زیر علاج تھے، میں طبی معائنہ کرانے کے لئے سول ہسپتال کراچی گیا تھا تو ان سے اچانک میری ملاقات ہو گئی۔ میں نے اس وقت مفتی محمود صاحب کو بہت اعتماد میں پایا تھا۔ اس وقت وہ باہمت اور حوصلہ مند نظر آتے تھے۔ میں نے اس موقع پر مفتی صاحب سے ملکی مسائل پر تبادلہ خیال کیا انہوں نے مفتی صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مفتی صاحب بہت بڑے سیاست دان اور بے غرض انسان تھے۔ وہ ہر لحاظ سے پکے مسلمان تھے۔ ان کے لئے مشکل مسئلے کا حل تلاش کرنا آسان کام تھا وہ پیچیدہ مسائل کا مناسب حل تلاش کر لیتے تھے، وہ اعلیٰ درجے کے سیاست دان اور مدبر تھے۔ وہ موجودہ مسائل کا حل مذہب کی روشنی میں ڈھونڈنے پر مکمل دسترس رکھتے۔ ان کی وفات سے ملک اور قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔

پاکستان کے سیاست دانوں کی روایت ہے کہ وہ اقتدار میں آنے سے پہلے ہردلعزیز ہوتے ہیں مگر جب انہیں کرسی مل جاتی ہے تو ان کی مقبولیت میں روز بروز کمی واقع ہوتی جاتی ہے کرسی کی وجہ سے ان کی شخصیت کو گھن لگ جاتا ہے حتیٰ کہ اقتدار کے آخری ایام میں وہ نفرت کا نشان بن جاتے ہیں، ذلت اور رسوائی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

ایوب خان نے جب اقتدار سنبھالا تو عوام نے اس کا خیر مقدم کیا کیونکہ لوگ سیاست دانوں کی روزانہ کی لڑائی سے تنگ آچکے تھے۔ مگر ایوب خان کے چند سال بعد ہی اس کی حکومت کو زوال آنا شروع ہوگیا۔ عوام سڑکوں پر نکل آئے اس کے خلاف عوامی تحریک زور پکڑتی چلی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے اپنا بوریا بستر سمیٹنا پڑا۔

اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو جب عوام میں تھے تو اس وقت بہت زیادہ مقبول تھے لوگ اسے قائد عوام اور فخر ایشیا کہتے تھے مگر جوں ہی اس نے اقتدار حاصل کیا تو اس کے کچھ عرصے بعد اس کی مقبولیت میں کمی آنی شروع ہوئی۔ اور اکثر لوگوں میں اس کے خلاف نفرت کے جذبات ابھرنے لگے۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ ملک کے واحد سیاست دان ہیں جو اقتدار میں آنے سے پہلے اور اقتدار میں آنے کے بعد ان کی مقبولیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ یہی خوبی ان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔

مفتی صاحب نے صوبے کا انتظامی سربراہ رہنے کی وجہ سے جو اصلاحات انہوں نے کی ہیں وہ پاکستان کی تاریخ کا ایک حصہ ہے۔

مفتی صاحبؒ نے یکم مئی ۱۹۷۲ء کو صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت اپنے عہدے کا حلف اٹھایا اور فوراً ہی اپنے صوبے میں انقلابی اور اسلامی اصلاحات کا

اعلان کر دیا اگرچہ اس وقت کی مرکزی حکومت نے آپ کے اختیارات بہت کم دیئے مگر آپ نے جرأت مندانہ انداز سے کام لیتے ہوئے صوبہ سرحد سے تمام برائیوں کا خاتمہ کرنے کا اعلان کیا۔

ماضی کے حکمرانوں کی عوام دشمن پالیسی اور غلط منصوبہ بندی کی وجہ سے صوبہ سرحد میں بے شمار مسائل پیدا ہو گئے تھے ان مسائل کو حل کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ مفتی صاحب نے مشکلات پر قابو پانے کے لئے ایک ٹھوس منصوبہ بندی کا آغاز کیا اور تمام برائیوں اور فحاشی پر قابو پانے کے لئے اسلامی اصلاحات کا آغاز کیا۔ یہ مفتی صاحب کا بہت بڑا تاریخی کارنامہ تھا کہ انہوں نے اتنے کم عرصے میں اتنی زیادہ اصلاحات کیں اس کا سو فیصد کریڈٹ مفتی صاحب کو ملتا ہے۔

مفتی صاحبؒ نے جاگیرداروں کی لوٹ کھسوٹ، نوکر شاہی کی غلط پالیسی شراب نوشی قمار بازی زنا، چوری اور صوبائی تعصب کی لعنت کو اپنے صوبے سے ختم کر دیا۔

مفتی صاحبؒ نے جب اقتدار سنبھالا تو صوبے کی رائے عامہ نے ان کے جذبات کو مدنظر رکھا انہوں نے حقیقت پسندی اور انصاف پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے کسی کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی۔ تقریباً نو ماہ کی حکومت میں مفتی صاحبؒ نے کبھی شخص کو ڈی، پی، آر، تحفظ امن عامہ، یا کسی اور دفعہ کے تحت نظر بند نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے اپنے صوبے میں لوگوں کی آزادیٔ رائے کا گلا گھونٹنے کے لئے دفعہ ۱۴۴ کا سہارا لیا جیسا کہ ہمارے ملک میں بدستور ہوتا رہتا ہے۔

اگرچہ مفتی صاحب کی نو ماہ کی حکومت کا قلیل عرصہ اور مرکزی حکومت کی ان کے خلاف ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ٹرسٹ کے اخبارات نے ایک زبردست مہم شروع کی ہوئی تھی حالانکہ یہ عوام دشمن لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ مفتی صاحب اپنی دھن کے پکے ہیں حکومت کی کوئی طاقت بھی انہیں اپنے نصب العین سے نہیں

ہٹا سکی لہذا انہوں نے ایک طرف تو مرکزی حکومت کا مقابلہ کیا اور دوسری طرف صوبہ سرحد کی نوکر شاہی کی سازشوں کو ناکام بنایا۔ مفتی صاحب ان راست اقدام سے ان کی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

ذوالفقار علی بھٹو مفتی صاحب کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خوفزدہ ہوگیا اور اسے اپنا اقتدار خطرہ میں نظر آنے لگا لہذا اس نے اپنی آمریت کو مضبوط کرنے اور اس صوبہ سرحد کی حکومت کو ختم کرنے کے لئے غیر آئینی اور غیر جمہوری اقدامات کیے۔ ایسے حالات میں مفتی صاحبؒ نے احتجاجاً صوبہ کی وزارت اعلیٰ سے استعفیٰ دے دیا۔ حالانکہ وہ بھٹو کے ساتھ سودے بازی کر کے اقتدار میں شریک ہو سکتے تھے مگر انہوں نے جمہوری قدروں اور رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے بھٹو سے کسی قسم کا سمجھوتہ کرنا پسند نہیں کیا۔

مفتی صاحبؒ نے جب محسوس کیا کہ اس وقت وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز رہنا مناسب نہیں لہذا انہوں نے فوراً استعفیٰ دے دیا۔ مفتی صاحبؒ کے اس جمہوری اقدام سے ان کی سیاسی اہمیت میں اضافہ ہوا۔

بھٹو کے غیر آئینی اور غیر جمہوری اقدامات کی وجہ سے ان کا مستعفی ہو جانا ملک اور قوم کے مفاد میں تھا۔ استعفیٰ پیش کر کے مفتی صاحب نے شاندار اور جمہوری روایت قائم کی۔

مفتی صاحب نے وزارت علیا کا حلف اٹھاتے ہی صوبہ سرحد سے شراب کی لعنت کو ختم کر دیا۔ آپ نے جرأت اور دلیری سے کام لیتے ہوئے سب سے پہلے یہ نیک کام کیا کہ صوبہ سرحد میں شراب نوشی، شراب فروشی پر مکمل طور پر پابندی لگا دی۔ یہ مفتی صاحب کا بہت بڑا تاریخی کارنامہ تھا کہ انہوں نے مرکزی حکومت اور نوکر شاہی کی مخالفت کی پرواہ کیے بغیر یہ کام سرانجام دیا۔

پاکستان جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا یہاں شراب کا عام ہو جانا پوری ملت اسلامیہ کے لئے رسوائی کا سبب تھا۔ پچھلی حکومتوں نے ام الخبائث کی طرف کوئی توجہ نہیں دی بلکہ معاشرہ میں اس بڑھتی ہوئی برائی کا تحفظ کیا گیا شراب نوشی افسروں اور عیاش لوگوں کا مشغلہ ہے اس قسم کے لوگ اس لعنت کو ملک میں برقرار رکھنا چاہتے تھے۔

مفتی صاحب نے افسروں کی مخالفت کے باوجود یہ اسلامی قدم اٹھایا۔ شراب کی بندش کی وجہ سے اگرچہ حکومت کو لاکھوں روپے کا نقصان ہوا مگر مفتی اس خسارے اور مخالفت کی پرواہ کئے بغیر یہ نیک کام سرانجام دیا۔

مفتی صاحبؒ کے اس اقدام سے ملک میں اور عالم اسلام میں زبردست خیر مقدم کیا گیا کیونکہ پاکستان میں پہلی مرتبہ شراب پہ پابندی لگائی تھی یہ کارنامہ مسلمانوں کی تاریخ و پاکستان کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ کام اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحبؒ کے ہاتھ سے کرایا۔

مفتی محمودؒ کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے اردو کو صوبے کی سرکاری زبان قرار دی۔ اردو ہماری قومی زبان ہے اس کی افادیت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا سکتا۔ قیام پاکستان کے فوراً ہی بعد اردو سرکاری زبان کا درجہ دے دیا جاتا تو بہت اچھا ہوتا۔ مگر بدقسمتی سے انگریزی دان طبقے اور نوکر شاہی نے پاکستان میں اردو کو رائج کرنے نہیں دیا جس کی وجہ سے یہاں پر اردو زبان کو زبردست نقصان پہنچا، اگرچہ تمام پچھلی حکومتوں نے اردو ہماری قومی زبان ہے کا نعرہ لگایا مگر عملی طور پر اس کو سرکاری زبان قرار نہیں دیا کیونکہ نوکر شاہی یہ کسی صورت میں نہیں جانتی تھی کہ پاکستان میں اردو کو اس کا صحیح مقام دلایا جائے۔ اس طرح انہوں نے اردو کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

اردو ایک ایسی قدیم زبان ہے جو ملک کے تمام صوبوں میں آسانی سے پڑھی جا سکتی ہے اور بولی جا سکتی ہے۔ ہمارے ملک میں اردو کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے تقریباً ملک کے تمام لوگ اس کو اچھی طرح بول سکتے ہیں اور لکھ سکتے ہیں۔

مفتی صاحب کا یہ تاریخی کارنامہ تھا کہ انہوں نے ملکی مفادات اور قومی جذبات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنے صوبے میں، جہاں اکثر غیور پٹھان رہتے ہیں اردو کو سرکاری طور پر پروان چڑھایا۔ کاش اگر آج بابائے اردو مولوی عبدالحق زندہ ہوتے تو وہ مفتی صاحب کی پیشانی چوم لیتے انہوں نے جتنی اردو کی خدمت کی ہے شاید ہی کسی نے کی ہو ان کی زبان پر ہمیشہ یہ الفاظ ہوتے تھے کہ اردو پڑھو، اردو لکھو اردو بولو۔ حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے سرحد میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دے کر پاکستان کے عوام کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ جسٹس محمد رستم کیانی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے کہ انگریزی زبان ہمارے گھر کی خادمہ ہے ہم اسے جیسے چاہیں استعمال کر سکتے ہیں لیکن اردو ہمارے گھر کی مالکہ ہے۔

جہیز ہمارے ملک میں ایک معاشرتی برائی ہے ، اس کا سدِ باب کرنا غریب عورتوں کے لئے یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے کہ وہ شادی کے لئے قیمتی جہیز تیار کریں، جہیز کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے معاشرہ میں کتنی بیٹیاں شادی سے محروم رہتی ہیں، مفتی صاحب نے اس معاشرتی برائی کا قلع قمع کرنے کے لیئے صوبہ سرحد میں جہیز پر پابندی عائد کر کے ہزاروں نوجوان لڑکیوں کے جذبات کی ترجمانی کی۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی اصلاحات اتنی زیادہ ہیں کہ ان کو لکھنے کے لئے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے ، انہوں نے اتنے تھوڑے عرصے میں اتنی زیادہ اصلاحات کی ہیں پاکستان کی تاریخ میں اس سے پہلے صوبہ سرحد میں کسی حکومت نے نہیں کی تھیں، یہ مفتی محمودؒ صاحب کا تاریخی اور انقلابی کارنامہ ہے کہ انہوں نے مرکزی حکومت کی پرواہ کئے بغیر یہ تعمیری اقدامات کیئے۔

اس کے علاوہ انہوں نے سرکاری لباس کو لازمی قرار دیا، قمار بازی کا قلع قمع ، سود کی بندش ، جمعہ کی سرکاری چھٹی کا اجراء ، اسلامی قوانین کے لئے بورڈ کا انتظام ، احترام رمضان کا آرڈیننس کا نفاذ اور اس کے علاوہ صوبہ سرحد میں ترقیاتی ادارے قائم کیئے اور مختلف صنعتوں کے کارخانے لگائے۔

مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کا علم عطا کیا ہوا تھا وہ اسلامی قانون سازی میں بہت زیادہ مہارت رکھتے تھے۔ انہیں اس بات کا خاص تجربہ تھا کہ ملک میں اسلامی قانون نافذ کرنے کے لئے کون سا طریق کار اختیار کیا جائے۔ اور قانون سازی کرتے وقت کن کن باتوں کو مدِنظر رکھنا چاہیئے چونکہ پاکستان بنیادی طور پر اسلامی ملک ہے اور یہاں مختلف مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔ اس لئے مفتی صاحب ان تمام مکاتب فکر کے لوگوں کے جذبات کو مدِنظر رکھتے ہوئے کئی بار حکومتوں کو نفاذ شریعت کے لئے ایک ٹھوس فارمولا پیش کیا، اس سلسلہ میں مفتی محمودؒ نے شوریٰ کو اسلامی حکومت کا ایک بنیادی اصول قرار دیا، شوریٰ کے بغیر اسلامی حکومت قائم نہیں ہوسکتی موجودہ زمانہ میں پارلیمنٹ کو شوریٰ کہا جاسکتا ہے اور یہی اصول موجودہ پارلیمانی نظام کی بنیاد ہے۔ مفتی صاحب پارلیمانی نظام حکومت چاہتے تھے انہوں نے اپنی تقریروں میں اکثر یہ کہا ہے کہ پارلیمانی نظام ملک کے لئے مفید ہے اور اس کو کسی صورت میں بھی اسلام کے خلاف قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مفتی محمودؒ کا یہ خصوصی مقالہ اسلامی دستور سازی کے لئے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے یہ ان کی دینی اور سیاسی فکر و قابلیت کا نچوڑ ہے وہ مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کو اسلامی حکومت کی بنیاد اور اساس قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

شوریٰ درحقیقت رائے عامہ کے اظہار کا نام ہے مفردات القرآن میں امام راغب اصفہانی نے تصریح کی ہے کہ شوریٰ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی رائے معلوم کی جائے، اور یہی اصول ہے جو موجودہ زمانے کے پارلیمانی نظام کی بنیاد ہے۔ اور جس کی داغ بیل اسلام نے

اس وقت ڈالی تھی جب کہ یورپ جمہوریت اور پارلیمنٹ کے مفہوم سے بھی ناآشنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (یعنی حکومت کے معاملات میں نظام شوریٰ اختیار کیجئے) اور مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے بارے میں یہ اصول طے کر دیا گیا کہ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ یعنی ان کے تمام کام شوریٰ کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔

اسلامی قانون کے ماہرین اور علماء اسلام کے نزدیک یہ بات طے ہو چکی ہے کہ شوریٰ اسلامی حکومت کی اساس اور اس کے فیصلوں کی بنیاد ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نقل کرتے ہیں کہ جب شوریٰ کا حکم آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ شوریٰ سے مستغنی ہے مگر یہ حکم امت کے لئے رحمت ہے اور جو اس حکم پر عمل کرے گا وہ اعلیٰ درجہ کی راہ نمائی سے محروم نہ ہوگا اور جو شوریٰ کو ترک کرے گا وہ غلط روی سے بچ نہ سکے گا۔ (روح المعانی)

ابن جریر سے روایت ہے قتادہ کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی نازل ہونے کے باوجود اپنے اصحاب سے مشورے کا حکم ملتا تھا اور یہ اس لئے تھا کہ قوم کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے اور یہ کہ شوریٰ امت کے لئے قانون بن جائے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اپنے رفقاء سے مشورہ کرنے میں اتنا زیادہ سرگرم ہو جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ (ترمذی)

اسی مفہوم کی حدیث حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے، ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تحریری طور پر ہدایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قانون شوریٰ پر عامل تھے۔

تم بھی لازماً اس پر عمل کرنا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عمرؓ کے تعامل سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ عورتوں سے بھی مختلف معاملات میں رائے لیتے تھے۔

(تفسیر مظہری جلد دوم ص۱۶۱)

مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے ضحاک کا ایک بیان نقل کیا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے عورتوں کو بھی حق رائے دہی دیا تھا۔

ان سب امور کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے ایک مجلس شوریٰ بنائے کیونکہ ایک شخص ہر معاملہ میں اتنی واقفیت اور مہارت نہیں رکھتا جتنا معاشرہ کے دوسرے افراد رکھتے ہیں۔ مکی دور میں اجتماعی مشوروں کے لئے دار ارقم کو مجلس شوریٰ کا ایوان بنایا گیا تھا۔ مدنی دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک کھلے میدانوں کو بھی اس مقصد کے لئے استعمال کیا۔

میں متفرق طور پر چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آج عالم اسلام میں اسلامی نظام کے قیام اور اسلامی قانون کی تنفیذ کا ایک جذبہ ابھرا ہوا ہے۔ کسی بھی اسلامی ملک میں جائیں تو ایک ہی بات مشترک طور پر محسوس کی جا سکتی ہے کہ کیا وجہ ہے کہ مسلم آبادی کا اجتماعی نظام اسلام کے اصول کے مطابق نہیں ہے۔ اس بات سے ہر شخص پریشان اور مضطرب ہے۔ اس سلسلہ میں کافی مشکلات بھی ہیں۔ زمانہ آگے جا رہا ہے جسے کوئی روک نہیں سکتا ہے۔ نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور چودہ سو سال سے زمانہ نئے مسائل پیدا کرتا چلا آ رہا ہے۔ ان پر فقہی انداز سے سوچنا اور ان کے لئے قانون وضع کرنا، یہ ایک مشکل مرحلہ ہے جسے ہم نے عبور کرنا ہے۔ اس میں سب سے بنیادی مسئلہ ہے رجوع الی کتاب اللہ

وسنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ۔ د ان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول . ذلک خیر واحسن تاویلا ۔ تو بنیاد و ماخذ قرآن وسنّت ہوا ۔ اس کے بعد ہمیں فقہا کے اجتہادات اور امّت کے اجماع سے بھی استفادہ کرنا ہے ۔ اگر چودہ سو سال میں کسی وقت بھی امّت نے کسی ایک مسئلہ میں اجماعی طور پر کوئی فیصلہ کیا تو اس کے بعد اس کے بدلنے کا کسی کو بھی اختیار نہیں . کتاب وسنّت کے بعد اجماع امّت کا ایک مقام ہے جسے ہم نے ملحوظ رکھنا ہے . فروعی مسائل میں فقہا کے مجتہدات اور نظائر ہمارے سامنے ہیں تو واضح صورت حال ہمارے سامنے آجاتی ہے ۔

پھر یہ ضروری نہیں کہ ہر ملک میں ایک ہی قسم کا قانون ہو ۔ اگر کسی جگہ امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں اور ان کی فقہ پڑھنے پڑھانے والے ہیں ۔ وہاں ان کی کتابیں کثرت سے ہیں ۔ فقہ حنفی کے علما موجود ہیں جن سے رجوع کیا سکتا ہے تو وہاں کا قانون فقہ حنفی کے مطابق ہوگا ۔ امام شافعی مصر میں ٹھہرے تو وہاں اکثر لوگ شافعی المذہب ہیں ۔ ان کی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے والے ہوں گے ، ان کی کتابیں وہاں رائج ہوں گی تو وہاں کا قانون اگر فقہ شافعی کے مطابق ہو تو اس میں حرج کی کوئی بات نہیں ۔ مغاربہ مالجزائر وغیرہ میں فقہ مالکی پر بھروسہ کیا سکتا ہے ، جو لوگ مجتہدات مالک کے مطابق فتوے دیتے ہیں اگر فقہ مالکی کے مطابق قانون ہو تو وہاں کے مزاج کے عین مطابق ہوگا ۔ جہاں پر حنابلہ کی تعداد زیادہ ہے ، جیسے سعودی عرب میں علما حنابلہ کثرت سے ہیں تو اگر وہاں فقہ حنبلی ہو تو ہمیں محسوس نہیں کرنا چاہیئے ۔ ہر ملک کے معتقدات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا .

جہاں تک پاکستان کا مسئلہ ہے تو یہاں غالب اکثریت فقہ حنفیہ کے مطابق ہے۔ یہاں پورا ذخیرہ کتب حنفی کا موجود ہے۔ باقی فقہا کے مجتہدات کا ذخیرہ اتنا یہاں نہیں نہ اتنے علماء و فقہا کہ جن کو رجوع کیا جائے تو لازماً فقہ حنفی کو ترجیح دی جائے گی۔ یہاں دستور پاکستان میں ہم نے صرف کتاب و سنت کو قانون سازی کا ماخذ قرار دیا ہے جس کے مطابق قانون سازی ہوگی۔ الغرض ہم کسی نزاع میں نہیں، نہ ہمارا ذہن الجھا ہوا ہے، فقہ حنفی میں اگر کوئی مسئلہ نظر نہ آیا تو کسی اور مذہب سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں اس میں ممانعت نہیں ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہ کون کرے اجتہاد کے تمام شرائط سے بڑھ کر اہلیت، تقوی طہارت، خدا ترسی ہو اس میں، کسی معمولی غلطی کو محسوس کرے تو اس سے فوراً رجوع کر سکے، میں سمجھتا ہوں اس وقت ہمارے ملک میں یا کسی بھی ملک میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس میں اجتہاد کی یہ ساری شرائط ہوں، کوئی ایک شخص متخصص فی الحدیث ہے۔ ایک شخص فقہ اور افتاء میں متخصص ہے کوئی تفسیر کے علوم میں متخصص ہے تو کوئی لغت عربی میں، اگر یہ سب اکٹھے ہو کر کوئی فیصلہ کریں تو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تمام متخصص شخص واحد مجتہد کی طرح ہے اس طرح ان کے اجتماعی مسائل و آراء کو قبول کیا جائے تو ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

مفکر اسلام قائد حزب اختلاف حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے قومی اسمبلی کے بجٹ کے اجلاس میں ایک بصیرت افروز اور فکر انگیز تقریر کی تھی۔ اسمبلی کی اس تاریخی تقریر میں انہوں نے بھٹو کے دور حکومت کو ہلا کر رکھدیا تھا یہ تقریر شاہکار کا درجہ رکھتی ہے، پارلیمانی تاریخ میں یہ بہت بڑا سرمایہ ہے قومی اسمبلی کی تاریخ میں جتنی بھی تقریریں ہوئیں ان میں مفتی صاحبؒ کی یہ سیاسی تقریر خاص اہمیت رکھتی ہے، اسمبلی کا یہ خطاب ان کی ذہانت، فکر اور قابلیت کا نچوڑ ہے، بڑے سے بڑا سیاست دان بھی ایسی بصیرت افروز تقریر نہیں کرسکتا لھذا انہوں نے اپنے آپکو ایک بہترین پارلیمنٹرین ثابت کیا ہے، مفتی صاحبؒ نے اپنی تقریر میں ملک کی داخلہ اور خارجہ پالیسی کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے، ایسے مسائل کو زیر بحث لائے ہیں جن کا تعلق عوام اور ملک کے مفادات سے ہے، اس تقریر کا عوامی اور سیاسی حلقوں میں زبردست خیر مقدم کیا گیا ہے، اسمبلی کے ریکارڈ میں ان کی تقریر کو ایک خاص مقام حاصل ہے، سیاست کا طالب علم کافی استفادہ کرسکتا ہے۔

لھذا جہاں مولانا مفتی محمودؒ کی حالات زندگی پر روشنی ڈالی جائے گی، وہاں اُن کی تقریر کو بھی زیر بحث لایا جائے گا کیونکہ مفتی صاحبؒ کا یہ بہت بڑا سیاسی اور تاریخی سرمایہ ہے، اس تاریخی اور سیاسی دستاویز کی حفاظت کرنا ہمارا قومی فریضہ ہے، انہوں نے پارلیمنٹ کے اس تاریخی خطاب میں جمہوریت، بنیادی حقوق، وزارت حج، اور مذہبی امور، تعلیمی مسائل، زرعی اور معاشی مسائل، خارجہ پالیسی عربی مدارس، الیکشن، قانون کی حکمرانی، قدرتی وسائل، بجلی کا مسئلہ،، وزارت اطلاعات، اور ڈیرہ اسماعیل خان کے مسائل پر اظہار خیال کیا ہے، اس قسم کے مسائل اسمبلی میں وہی لیڈر پیش کرسکتا ہے جو ایک

بھلا ہوا پارلیمنٹرین ہوا اور جس کے دل میں قوم کا درد ہو، مفتی صاحب کی اسمبلی کی تقریر کو ہم من عن پیش کرتے۔

جناب سپیکر! اس بجٹ کو اگر غیر ملکی قرضہ جات کا بجٹ کہا جائے تو مناسب ہوگا۔

یہ بجٹ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا بجٹ ہے لیکن ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا گیا ہے۔ پاکستان مشرقی و مغربی حصوں کا نام تھا۔ ۴۷ء میں مسلمانوں نے جس پاکستان کی بنیاد رکھی تھی وہ یہ پاکستان نہیں۔ اسے یا تو چھوٹا پاکستان کہا جائے یا نیو پاکستان۔

پاکستان ٹوٹ چکا ہے اس کی وجہ معلوم نہیں، کوئی نہیں جانتا کیوں ٹوٹا کس نے توڑا۔ اگر پاکستان کے شہری یہ جانتے کہ پاکستان کو یہ نقصان کس نے پہنچایا۔ اس ملک کا نام اسلامی جمہوریہ ہے جمہوریت یہاں سلب کر لی گئی ہے۔ شہری آزادیاں ختم کر دی گئی ہیں جمہوریت اور اسلام پر اگر ہم بحث کریں تو میں سمجھتا ہوں یہاں جمہوریت دم توڑ چکی ہے۔ شہری آزادیاں سلب کر لی گئی ہیں پاکستان کا دستور جو یہاں پہ نافذ ہے اور جس کا حلف مرکزی حکومتوں نے صوبائی حکومتوں سے اٹھایا ہے اس دستور میں ہمیں بنیادی طور پر تقریر کی آزادی تحریر کی آزادی، نقل و حرکت کی آزادی، اجتماعات کی آزادی اور اظہار خیال کا حق ملا ہے۔ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج پاکستان کے کروڑوں شہری اس بنیادی حق سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔

ایک معمولی سا قانون جسے دفعہ ۱۴۴ کہا جاتا ہے جو انگریز کے وقت کی یادگار ہے اس معمولی سے قانون سے دستور کے بنیادی حقوق سلب کر لیتے گئے ہیں آج پورے پاکستان میں چاروں صوبوں میں، ہر ضلع میں، ہر تحصیل میں،

ہر تھانہ میں یہ دفعہ نافذ ہے اور مسلسل چار سال سے نافذ رہا ہے۔ اور ہر ڈیڑھ ماہ بعد نیا اعلان ہوتا ہے۔

یہ دفعہ ۱۴۴ ایک معمولی سا قانون ہے اور قانون کی کتاب میں اس لئے رکھا گیا ہے کہ اگر ملک کے کسی محلے میں، کسی بستی میں فساد ہو تو اس فساد کو کنٹرول کرنے میں اسے لاگو کیا جاتا ہے لیکن آج پورے پاکستان میں یہ دفعہ نافذ ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت یہ تسلیم کرتی ہے کہ پورے پاکستان میں فساد ہے اور ملک میں ایک انچ زمین بھی ایسی نہیں جہاں امن ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ حکومت جو امن قائم کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے تو اسے حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اس لئے از خود رضاکارانہ طور پر اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے مستعفی ہو جانا چاہیئے۔ اور اگر میرے یہ دوست یہ فرماتے ہیں کہ نہیں فساد بالکل نہیں ا حزب اقتدار کے بنچوں کی طرف اشارہ کرتے ا حالات نارمل ہیں لیکن سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے مخالفین کے سیاسی عمل کو روکنے کے لئے ہم نے یہ دفعہ نافذ کی ہے تو پھر بھی میں کہوں گا کہ جو حکومت سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے لوگوں کے دستوری حقوق سلب کرتی ہے اسے حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

ہنگامی حالات سالہا سال سے مسلّط ہیں پہلے تو ہر چھ ماہ کے بعد اسمبلی میں اس کی توثیق کرائی جاتی، مگر اب اسمبلی نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ دفعہ مسلسل نافذ رہے گی یہاں تک کہ خود اسمبلی اسے واپس نہ لے۔ اور یہ ایمرجنسی پتہ نہیں کس بنیاد پر ہم پر مسلّط ہے۔ اور ڈیفنس آف پاکستان رولز کو جس طرح بے تحاشا اس ملک میں استعمال کیا جاتا ہے وہ بھی آپ کے سامنے ہے ایک گھٹن محسوس ہو رہی ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر شخص آزادی کی نعمت سے محروم ہو گیا ہے، آج ہندوستان سے بھی ہمارے تعلقات اچھے ہو گئے اور میں اس کے حق میں ہوں

کہ ہمسایہ ملکوں سے ہمارے تعلقات بہتر ہونے چاہییں اور یہ حقیقت ہے کہ ایک ملک اس وقت ترقی کر سکتا ہے، جب کہ ہمسایہ ملکوں کے ساتھ اس کے تعلقات اچھے ہوں، ہمیں خوشی ہے کہ ہندوستان سے بھی ہمارے تعلقات بہتر ہو رہے ہیں سفارت خانے بحال کیئے جا رہے ہیں سفیروں کے تبادلے عنقریب ہونے والے ہیں تجارتی معاہدے ہو رہے ہیں افغانستان کے ساتھ جو اختلاف تھا وہ بھی اب دوستی کے ماحول میں تبدیل ہو گیا ہے اور اس کی صدائے بازگشت آج پورے ملک میں سنائی دیتی ہے اس صورتِ حال میں میں سمجھتا ہوں کہ ایمرجنسی کے نفاذ اور اس کے استعمال کا کوئی جواز نہیں۔ آج یہاں پورے ملک میں لوگوں کی عزتیں، ان کی جانیں، ان کی ابرو محفوظ نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ سیاسی قتل ہو رہے ہیں اور سیاسی اغوا بھی اس ملک میں جاری ہیں ایک سیاسی ورکر اپنے آپ کو بالکل غیر محفوظ سمجھتا ہے آپ کے سامنے یہاں پر باتیں آئی ہیں میں اس سلسلہ میں مختصراً عرض کرتا ہوں سیاسی ورکروں کے اغوا اور قتل کے حالات یہ ہیں، مولانا شمس الدین کو بلوچستان میں قتل کیا گیا، عبدالصمد خان اچکزئی کو بم سے اڑایا گیا، جناب حیات محمد خان شیرپاؤ کو قتل کیا گیا، ڈاکٹر نذیر احمد کو ڈیرہ غازی خان میں قتل کیا گیا، ہمارے دوست احمد رضا قصوری کے والد محترم قتل ہوئے اگرچہ انہوں نے اسے معاف کر دیا اور خواجہ رفیق قتل ہوئے اس کے ساتھ ساتھ سیاسی اغوا بھی ہوتے رہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں گرفتار کیا گیا مگر اس کے باوجود وہ لاپتہ ہیں۔

فیڈرل سیکورٹی فورس جسے لوگ فی سبیل اللہ فساد بھی کہتے ہیں وہ آج پورے ملک میں مصروف عمل ہے یہاں تک کہ ہمارے ملک کے وزیر داخلہ جناب خان اعظم کاش کہ وہ اس وقت یہاں موجود ہوتے کراچی میں ان کے جلسہ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا اور جو حشر ہوا ہے، اور جو اس کی گت بنائی گئی ہے

وہ خود ہی اس کے شاہد عدل ہیں کہ یہاں پر کتنی سیاسی آزادی لوگوں کو حاصل ہے، اگر ملک وزیر داخلہ جلسہ نہیں کر سکتے وہاں پر آنسو گیس چھوڑا جاتا ہے۔ لاٹھی چارج کیا جاتا ہے تو بتائیے دوسرا کون سیاسی ورکر کس طرح سیاسی عمل کو جاری رکھ سکتا ہے۔

بلوچستان میں تین سال سے تقریباً چھ ڈویژن فوج عوام پر مسلط ہے، یہ کتنی بات ہے اور مجھے یہ کہتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہماری فوج ہماری ہی قوم کو فتح کرنے پر تلی ہوتی ہے"۔

امور داخلہ کچھ ایسے ہیں کہ جن کے ذکر کرنے سے نہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے پورے ملک کے داخلی امور ایسے خراب ہو چکے ہیں کہ پاکستان میں کوئی بھی شخص اعتماد کے ساتھ وقت نہیں گذار سکتا۔ جہاں تک امور خارجہ کا تعلق ہے تو اس کے متعلق یہ ہے کہ ہمارے سفارتخانے جو دوسرے ملکوں میں کام کر رہے ہیں وہ سوائے اس کے کہ وہاں عیاشیوں میں مصروف ہوں انہوں نے ملک کی کوئی خدمت نہیں کی۔ میں نے دیکھا ہے مجھے تجربہ ہے کہ کسی ملک کا سفیر دوسرے ملک والوں کے لئے آئینہ ہے وہ اس آئینے میں اس ملک کو دیکھتے ہیں۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ جب بھی کوئی فنکشن ہو پاکستانی سفارتخانے میں شراب عام پلائی جاتی ہے۔

اس کے مقابلے میں ہندوستان جو لادینی ملک ہے، اس کے سفیر کم از کم مسلمان ملکوں میں ایسے ہوتے ہیں جو صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوں اور شراب وغیرہ کے قریب نہیں جاتے۔ اگر ہندوستان کے سفارتخانے میں شراب نہ پلائی جاتی ہو اور پاکستان کے سفارتخانے میں شراب عام پلائی جاتی ہو تو وہ لوگ کیا محسوس کریں گے۔ میں بڑے ادب کے ساتھ آپ کی وساطت سے عرض کروں گا، قاہرہ میں میں نے دیکھا کہ ایک فنکشن جو رمضان شریف میں ہوا تمام ملکوں کے سفیر کھڑے ہوئے نماز کے وقت ہمارے ملک کا سفیر بیٹھا اور باقی ملکوں کے سفیروں نے نماز پڑھی۔

رمضان کے مہینے میں اگر تقریب ہو تو ہمارا سفیر دن میں کھاتا پیتا ہے اور باقی ملکوں کے مسلمان سفیر روزے سے ہوتے ہیں آخر وہ لوگ کیا محسوس کریں گے؟ میں آپ کو اپنا ایک واقعہ سناتا ہوں کہ میں اسکندریہ میں گیا وہاں ایک کالج کا نوجوان مجھ سے ملا میرے پاکستانی مندوب کا بیج لگا ہوا تھا اس کو دیکھ کر اس نے کہا کہ جواہر لعل نہرو سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے میں نے کہا وہ ہندوستان کا وزیر اعظم ہے ہمارے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں اس نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے اس سے بڑی محبت ہے میں نے اس سے کہا کہ وہ پاکستان کے مسلمانوں کا دشمن ہے اس پر وہ حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ پاکستان ہندوستان کا صوبہ ہے ہم نے پاکستان کو ملک کی حیثیت سے ابھی تک نہیں پہچانا تھا۔

جہاں سفیر اتنا بھی نہ کر سکیں کہ وہ اپنے ملک کا تعارف کرا سکے اور وہاں کے لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ ملک پاکستان، ہندوستان کا صوبہ ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے سفیر بالکل بیکار ہیں اور آپ کے سفارتخانے کوئی کام نہیں کر رہے سوائے عیاشیوں کے۔

جہاں تک خارجہ پالیسی کا تعلق ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ خارجہ پالیسی ہماری آزاد ہونی چاہیئے اور اس وقت تک ہم جن ملکوں کے مقروض ہو چکے ہیں ہم ان کی پالیسی کے خلاف عمل نہیں کر سکتے۔

لندن پلان کا بھی بہت زور شور سے ذکر کیا گیا اور ایک بزرگ سیاستدان جناب ممتاز احمد خان دولتانہ اس کے ہیرو تھے۔ کہا گیا تھا کہ لندن میں بیٹھ کر انہوں نے پاکستان کے خلاف سازش کی تھی۔ لیکن مجھے تعجب ہے کہ آج وہی شخص لندن میں پاکستان کا سفیر ہے اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ حالات درست نہیں ہو سکتے اور پاکستان کا وقار اس طرح بلند نہیں ہو سکتا۔

ہماری اطلاعات کی وزارت ریڈیو پاکستان اور ٹیلی ویژن اس مہم میں مصروف

ہیں کہ لوگوں کو فحش قسم کی باتیں سنائیں اور نوجوان طبقہ کا ذہن زہر آلود ہو جائے وہ سوائے جنسی انارکی کے کوئی اور بات نہ سمجھیں جس کے نتائج یہ برآمد ہو رہے ہیں کہ فرزانہ صبوحی اور اس قسم کے دوسرے قتل کے واقعات آپ کے سامنے ہیں۔ یہ ہمارے سینما جو درسِ عشق دے رہے ہیں پورے ملک کے نوجوانوں کے اخلاق کو بگاڑ رہے ہیں۔ یہ تخریبی اور اخلاق سوز مہم ہمارے ریڈیو ٹیلی ویژن سے جاری ہے۔ لیکن قرآن کریم کی تلاوت کے لئے صرف دس منٹ، جب کہ دوسرے ملکوں میں گھنٹے گھنٹے ریڈیو پر قرآن کریم کی تلاوت کے لئے وقت دیا جاتا ہے۔

ہمارا اطلاعات کا محکمہ ہمیشہ اور ہر وقت اپوزیشن کی کردار کشی میں مصروف رہتا ہے، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ہر وقت اپوزیشن پر الزامات لگائے جاتے ہیں باوجود اس کے کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے محکمے قومی محکمے ہیں یہ پیپلز پارٹی کی ملکیت نہیں ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان محکموں کو ایک پارٹی کی بلکہ ایک شخص کی ملکیت قرار دے دیا گیا ہے۔ ریڈیو پاکستان کی خبروں کے بلٹن میں پہلا لفظ وزیر اعظم بسم اللہ کی جگہ نشر کیا جاتا ہے۔ مسلسل ایک ہی شخص کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ آپ وائس آف امریکہ کو سنیئے، بی بی سی لندن کو سنیئے، ماسکو ریڈیو سنیئے، ہندوستان کے ریڈیو کو سنیئے اس طرح سے ایک شخص کا پروپیگنڈا ان ریڈیو اسٹیشنوں سے نہیں ہوتا ہمارے ہاں خبروں کے بلٹن میں یہ ہوتا ہے کہ جب وزیر اعظم کا ہیلی کاپٹر نظر آیا تو لوگ خوشی سے جھوم اُٹھے اور جب وزیر اعظم دروازے سے باہر نکلے تو فضا نعروں سے گونج اٹھی اور ہر طرف ذوالفقار علی بھٹو زندہ باد کے نعرے لگنے لگے اس کے بعد گلدستے پیش کئے گئے اور راستے میں میلوں تک قطاریں تھیں اور وہ ہاتھ ہلا ہلا کر سب کا جواب دے رہے تھے۔ یہ خبریں ہیں، یہ تو نیوز کی توہین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا خبروں سے کوئی تعلق نہیں یہ صرف

ایک شخص کا پروپیگنڈا ہے۔

اپوزیشن کے خلاف پروپیگنڈے کا یہ عالم ہے کہ پچھلی مرتبہ شہنشاہِ ایران یہاں تشریف لائے ان کے اعزاز میں ضیافت دی گئی۔ جس کے وہ مہمان خصوصی تھے اور پاکستان کی حکومت نے انہیں دعوت دی تھی جس میں ہمیں بھی بلایا گیا تھا۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ اپوزیشن پارٹیوں نے دو اڑھائی سال سے یہ فیصلہ کیا ہوا ہے کہ وہ کسی بھی سرکاری تقریب میں شرکت نہیں کریں گے اس فیصلہ کے بعد ہمارے لئے اس دعوت میں شرکت کا کوئی جواز نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ کیا گیا لیکن یہ تقریب ان کی طرف سے نہیں تھی بلکہ پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے تھی اس لئے ہمارا فیصلہ واضح ہے۔ اس جرم میں بھی ہمارے خلاف کردارکشی ہوتی رہی یہ سفارتی آداب سے ناواقف ہیں، یہ بداخلاق ہیں، یہ فلاں ہیں یہ سلسلہ طویل عرصہ تک جاری رہا۔

اپوزیشن پارٹیوں کا بائیکاٹ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر یحییٰ خان کے زمانے میں بھی جب مارشل لا کا دور تھا اس طرح نہیں کیا گیا تھا۔ اس وقت بھی تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کے بیانات دو، دو، تین تین جملوں میں لازماً نشر کئے جاتے تھے لیکن اس کے برعکس میں پوچھتا ہوں کہ تین سال سے کوئی بتائے کہ فلاں وقت میں ریڈیو پاکستان سے اپوزیشن پارٹی کے فلاں لیڈر کا بیان نشر ہوا ہے۔ اگر لاکھوں کے مجمع سے بھی کوئی اپوزیشن لیڈر خطاب کرتا ہے تو اس کا ذکر ریڈیو پاکستان سے نہیں ہوتا۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے علاوہ اخبارات بالخصوص ٹرسٹ کے اخبارات تو بالکل پابند کر دیئے گئے ہیں اور پورے ملک میں اخبارات پر سنسرشپ عائد ہے، اخبارات کی آزادی مکمل طور پر سلب کر لی گئی ہے ایک اخبار نوائے وقت

جو اپوزیشن پارٹیوں کے بیانات گاہے گاہے چھاپ دیتا ہے اس کے اشتہارات بند کر دیئے گئے ہیں اور تمام احتجاجات بے سود ثابت ہوئے ہیں۔

جہاں تک وزارتِ دفاع کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ملک کے دفاع پر جتنا پیسہ خرچ کیا جائے ہم اس پر خوش ہیں ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری فوج مضبوط ہو اور ہم اسلامی نقطہ نظر سے یہ بھی کہتے ہیں کہ ان ملکوں کے مقابلے میں جن کے پاس ایٹم بم ہیں جن کے پاس ہائیڈروجن بم ہے ہمارے پاس بھی یہ تمام چیزیں ہونی چاہئیں اور یہ ہمارا اخلاقی اور دینی فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں اپنی قوت کو تیار رکھو۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایٹم بم بنتے ہیں تو غیر ملکوں میں۔ پاکستان بھی ایک بڑا ملک ہے اس میں بھی ایٹم بم بن سکتے ہیں اس کے بھی ذرائع ہیں ہم بھوک برداشت کر سکتے ہیں۔ پیاس برداشت کر سکتے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے پاس بھی جدید قسم کے آلات ہوں اور ہم بھی اکیلے مسلح ہوں جس طرح دوسری قومیں مسلح ہیں۔

جہاں تک ہماری تجارت کا تعلق ہے یہاں کل پرسوں سے یہ بات گونج رہی ہے کہ کیڑوں سے بھرے ہوئے چاول جو ابو ظہبی بھیجے گئے تھے وہ انہوں نے واپس کر دیئے ہیں یہ ہمارے ملک پر کلینک کا ٹیکہ ہے اور بدنما داغ ہے اس سے پاکستان کی تجارت کی شہرت دنیا میں خراب ہو رہی ہے۔

یہاں کسٹم کے بغیر لوگ مال باہر سے لاتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ پشاور میں بازار ہے۔ باڑے میں تو خیر ہے ہی۔ مردان میں بازار ہے۔ فیصل آباد میں ہے۔ لاہور میں ہے۔ پنڈی میں ہے۔ جہاں پر غیر ملکی کپڑا کھلے بندوں تقسیم ہوتا ہے جو بغیر کسٹم کے یہاں پر پہنچتا ہے اس پر کوئی قدغن نہیں۔ لیکن اگر ایک دکاندار وہاں سے خرید کر ایک گز کپڑا بھی اپنی دکان میں رکھ لیتا ہے تو تو اسے گرفتار کر لیا جاتا ہے۔

اس طریقہ سے میں سمجھتا ہوں کہ ہماری اپنی اندرونی تجارت تباہ ہو گئی ہے۔

جہاں تک وزارتِ مواصلات کا تعلق ہے۔ بجٹ پر سب نے اعتراضات کئے ہیں کہ یہاں پر بجٹ کے بعد ٹیکس لگائے جاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہاں پر بجلی کی قیمتیں۔ ٹیلیفون کی فیس، ریلوں اور ہوائی جہازوں کے کرائے تمام میں اضافہ ہوا ہے۔ ٹیلیفون کے بل ہمیشہ غلط بن کر آتے ہیں۔ جناب سپیکر آپ جانتے ہیں کہ دو مرتبہ گذشتہ اور اس سے گذشتہ سال میرا ٹیلیفون، محکمے نے اس لئے کاٹ دیا کہ میں نے بل ادا نہیں کیا باوجود اس کے کہ اسمبلی کے ممبر کا بل سال بعد ادا ہوتا ہے میرے ذمہ ایک پیسہ بھی کبھی ٹیلیفون کے بل کا باقی نہیں رہا آپ نے خود ٹیلیفون کہ کے ممبر اسمبلی کا ٹیلیفون کاٹنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ چونکہ چار پانچ ماہ کا بل ادا نہیں ہوا اس لئے کاٹ دیا گیا دو سال تک مسلسل ایسا ہوتا رہا تنبیہ کے باوجود بھی کوئی پرواہ نہیں کی گئی۔ ٹیلیفون کے محکمہ کی بے خبری کی یہ حالت ہے، ٹیلیفون کا محکمہ کام نہیں کرتا۔

اس کے علاوہ ٹیلی گرام کا مسئلہ یہ ہے کہ ٹیلی گرام بڑی تاخیر سے موصول ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ایک شخص ایک جگہ ٹیلی گرام کرتا ہے کہ میں فلاں روز وہاں پہنچ رہا ہوں وہ شخص وہاں پہنچ جائے گا تب اس کی موجودگی میں ٹیلی گرام موصول ہو گا ڈاک کا حال بھی تقریباً ایسا ہی ہے۔ انگریز کے زمانہ میں یہ طریقہ تھا کہ پشاور سے ڈیرہ اسماعیل خان تک ڈاک بذریعہ ریل جایا کرتی تھی، کیونکہ اس زمانے میں روڈ ٹرانسپورٹ نہ ہونے کے برابر تھی۔ وائے کیمبل پور پھر دریا خان اور وہاں سے لانچوں کے ذریعہ سے دریا عبور کر کے ڈاک پہنچتی تھی آج تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے جب کہ اس وقت چھ گورنمنٹ ٹرانسپورٹ روزانہ پشاور سے ڈیرہ جاتی ہیں اور ڈیرہ سے پشاور۔ لیکن اس کے باوجود وہی پرانا طریقہ جاری ہے اور ہفتوں کے بعد ڈاک پہنچتی ہے

کارخانہ جات کا حال بھی ایسا ہی ہے ابھی آپ کے سامنے بات ہوئی تھی کہ اکثر کپڑا بنانے کے کارخانے بند پڑے ہیں اور مولانا ہزاروی صاحب نے فرمایا ہے کہ تین کروڑ روپے کا مال ستلج کاٹن مل میں بیکار پڑا ہے اور ضائع ہو رہا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کارخانوں کا مسئلہ تسلی بخش نہیں ہے۔ سنا ہے کہ پندرہ کے قریب شوگر بن رہی ہیں، میں کہتا ہوں کہ شوگر ملوں میں جتنا اضافہ ہوتا ہے چینی کی قیمت بھی ساتھ ہی بڑھ جاتی ہے۔ کچھ پتہ نہیں ان شوگر ملوں کو آپ گنا کہاں سے مہیا کریں گے جب کہ موجودہ کارخانوں میں گنا پورا نہیں ہو رہا۔"

اگر آپ صحت کے محکمے کو دیکھیں گے تو وہاں بھی حالت خراب ہے ہسپتالوں کے دروازوں پر مریض سسکیاں لے لے کر دم توڑ دیتے ہیں مگر دوائی نہیں ملتی۔ بعض مرتبہ دوائی ہوتی ہی نہیں اور نہ ہی ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ بہت سے ہسپتال بغیر ڈاکٹروں کے چل رہے ہیں۔ عالم یہ ہے کہ ہڑتال کے بغیر کبھی کوئی مطالبہ اس حکومت نے تسلیم نہیں کیا۔ آئے دن کی ہڑتالیں اس ملک معیشت پر بار ہیں۔ کبھی ڈاکٹروں کی ہڑتال ٹیچروں کی ہڑتال، کبھی کمپونڈروں کی ہڑتال، اور جہاں تک میڈیکل کالجوں میں داخلے کا مسئلہ ہے تو حالت یہ ہے کہ سپیشل کوٹہ کے ذریعہ مکمل کر دیئے جاتے ہیں یہ مسئلہ اس قابل ہے کہ اس میں تبدیلی کی جائے۔

جہاں تک بجلی کا مسئلہ ہے تو صورت حال یہ ہے کہ ہمارے فرنٹیر میں بجلی بہت زیادہ ہے لیکن وہ ترقی نہیں ہے جہاں ہے وہیں ہے بجلی تیز رفتار ہونے کے باوجود ہمارے یہاں آکر نہ جانے کیوں سست پڑ جاتی ہے اس کے بلوں میں کوئی توازن نہیں اس کے بل اندھے اور بہرے ہوتے ہیں، کبھی سو روپے کا بل آجاتا ہے کبھی دس اور پانچ روپے کا، دیہاتوں میں جہاں بھی بجلی پہنچی ہے وہاں عام چوری سے بجلی استعمال ہو رہی ہے وہ تاروں میں کنڈے لگا کر سارا دن اور ساری رات

بجلی جلتی ہے یہ چوری ملک میں عام ہے اور حکومت کی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔

تربیلا کا مسئلہ آپ کے سامنے ہے، اربوں روپیہ اس قومی منصوبہ پر صرف ہو گیا اور یہ عظیم منصوبہ اتنے خرچ کے بعد ناکام ہو گیا اس بند کے سوراخ ٹوٹ چکے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ اگر دریاؤں کا پانی بھی اِس حکومت کے خلاف بغاوت کرتا ہے تو ہم کیا کریں۔ اپوزیشن نے تو پانی کو حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کو نہیں کہا لیکن پانی پھر بھی بغاوت کر رہا ہے اس لئے کہ جب حکومت عدل و انصاف سے ہٹ جائے تو بے جان چیزیں بھی بغاوت کر جاتی ہیں۔

سوئی گیس کہاں کہاں پہنچا یہ آپ لوگ جانتے ہیں سب لوگوں نے اس کی شکایت کی ہے سُوئی گیس خاص خاص شہروں میں پہنچا ہوا ہے۔ اور میں تو کم از کم یہ اُمید نہیں رکھتا کہ میرے ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں بھی سوئی گیس پہنچے گا، تیل کی تلاش میں ہم مکمل طور پر ناکام ہو گئے ہیں تیل کی تلاش صحیح معنوں میں یہاں نہیں کی گئی۔ ورنہ یہاں تیل کا ذخیرہ موجود ہے اور یہاں سے تیل نکل سکتا ہے۔

اب ذرا قانون کی طرف آیئے ہم نے موجودہ دستور میں فیصلہ کیا کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ اس فیصلہ کے بعد کوئی جواز نہیں تھا کہ یہاں اسلام کے خلاف قرآن و سنّت کے خلاف کوئی قانون موجود ہو اس کے لئے سات سال کی مدّت رکھی گئی تھی، اس کا طریقۂ کار یہ تھا کہ دستور کے نفاذ کے بعد نوّے دن میں ایک اِسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی جائے گی اور وہ یقیناً تشکیل دی گئی ہے لیکن اِس میں بہت سے لوگوں کو سیاسی وجوہ کی بنا پر رکھا گیا ہے ان کی کوئی اہلیت نہیں ہے اس کونسل کے تمام ممبر اس معیار پر پورے نہیں اترتے جو آئین میں اس کونسل کے لئے رکھا گیا ہے، مُلک میں صاحب فقیہہ۔ صاحب استعداد، جیّد اور راسخ علماء موجود ہیں اور ان میں سے اگر ایک دو اس کونسل میں آجاتے تو کیا خرابی تھی اِسلامی مشاورتی کونسل

سے کے ممبران نااہل ہیں اس لئے وہ کام نہیں کر سکتے اور اسلامی تدوین کا کام ان سے نہیں ہو سکتا تین ماہ بعد اسلامی مشاورتی کونسل کا طریقہ یہ رکھا گیا تھا کہ ایک سال میں وہ لازماً رپورٹ دے گی اور چھ مہینے میں وہ اسمبلی کے اندر زیر بحث آئے گی۔ یہ کُل مُدّت پونے دو سال بنتی ہے اور آئین کی رو سے اس پونے دو سال کی مدّت میں یہ کاروائی ہونی تھی لیکن اس وقت تقریباً تین سال گزر چکے ہیں نہ تو اب تک اسلامی مشاورتی کونسل نے کوئی رپورٹ پیش کی اور نہ ہی اسمبلی میں زیر بحث آئی ہے یہیں سے آئین کی مٹی پلید کی گئی اور اسلامی قانون کے نفاذ میں روز بروز تاخیر ہو رہی ہے، جہاں تین سال گزر گئے وہاں سات سال بھی گزر جائیں گے اور یہاں کوئی اسلامی قانون نافذ نہیں ہو سکے گا۔

آپ کو یاد ہو گا جب اسمبلی میں آئین میں ترمیم کا پانچواں بل پیش ہوا تو حزب اختلاف کے تیرہ ممبروں نے یہ گناہ کیا کہ ایک بل پیش کیا کہ یہاں چونکہ سرکاری مذہب اسلام ہے اس لئے یہاں پر قرآن و سنّت کے خلاف تمام قوانین کالعدم ہو جائیں گے۔ لیکن اسمبلی کی اکثریت اور اسلام کے دعویداروں نے اس بل کو مسترد کر دیا۔ جب ہم نے اس فیصلہ پر واک آؤٹ کیا اور ہم جا رہے تھے تو پیچھے سے آوازیں کس رہے تھے کہ دیکھو اسلام کے ٹھیکیدار جا رہے ہیں۔ جہاں اسلام کے ساتھ یہ تمسخر کیا جاتا ہو اور جہاں اسلامی قانون میں کوتاہی برتی گئی ہو وہاں کیا ہمیں یقین ہو سکتا ہے کہ اسلام کا قانون آئے گا؟

یہاں قادیانی مسئلہ طے ہوا۔ آئین میں ترمیم ہوئی اور اس میں قادیانی سے متعلق کچھ قوانین بنانے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کا میں بھی ممبر ہوں لیکن اب تک اس کمیٹی کی ایک بھی میٹنگ نہیں ہوئی اور میں نے گذشتہ اجلاس میں وزیر قانون سے کہا تھا کہ میٹنگ کب بلائیں گے تو انہوں نے کہا کہ ابھی اور اسی اجلاس میں بلاتے ہیں۔ وہ اجلاس گزر گیا اور میٹنگ آج تک نہ ہوئی وہ قانون سازی جو تقریباً ڈیڑھ دو سال سے رُکی ہوئی ہے وہ قانون سازی آج تک نہیں ہوئی ہے۔

زراعت میں میں وزیر خزانہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ٹریکٹروں سے دس فیصد سرچارج واپس لے لیا ہے یہ زراعت کے کام کو آگے بڑھانے کے لئے اچھا قدم ہے لیکن اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ ۴۸ ملین ایکڑ زمین ملک میں زیر کاشت آسکتی ہے اور قابلِ کاشت ہے لیکن ۳۸ ملین ایکڑ اس وقت کاشت ہو رہی ہے اور باقی ۱۰ ملین ایکڑ یعنی تقریباً ایک کروڑ ایکڑ زمین ویسے پڑی ہے جس کے لئے حکومت نے کوئی کوشش نہیں کی باوجودیکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ۱۹۸۰ء میں یہ ملک غذائی حیثیت سے خود کفیل ہو جائے گا۔

یہ بیج کی جو کارپوریشن بنی ہے یہ پنجاب اور سندھ میں بنی ہے لیکن فرنٹیئر اور بلوچستان کے لوگوں کو یہ سہولت کیوں نہیں دی گئی اور زراعت کے محکمہ میں دو صوبوں کو پیچھے دھکیلنے کے مترادف ہے۔

جہاں تک تعلیم کا مسئلہ ہے اس میں خرابیاں بہت زیادہ ہیں، میں تو سمجھتا ہوں کہ آج ہمارے ہاں لڑکوں کو سکولوں اور کالجوں میں جیسا کہ ابھی کسی نے ذکر فرمایا کہ صرف کلرک تیار کرنے کے لئے اس کو استعمال کیا جاتا ہے فنی تعلیم یہاں نہیں جاتی اور کسی انجینئرنگ یا میڈیکل کالج میں غریب طلبہ کا داخلہ ممکن نہیں ہے،

اعلیٰ تعلیم کے جو وظائف دیئے جاتے ہیں وہ بھی ترجیحی بنیادوں پر اپنے خاص لوگوں کو سیاسی رشوت کے طور پر اس کو استعمال کیا جاتا ہے اور میں کیا کہوں اس ملک میں تعلیم گاہیں عربی مدرسے بھی ہیں اسلامی تعلیم گاہیں بھی ہیں۔ میں ببانگ دہل کہتا ہوں کہ آج کالجوں اور سکولوں میں اسلامی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ اسلامی تعلیم ایک فقیہ، ایک مفتی، ایک قاضی، ایک محدث اور ایک مفسر کہاں سے بنتا ہے۔ یہ اسلامی اور عربی مدارس سے ہی بنتے ہیں

لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہمارے بجٹ میں ایک پیسہ بھی ان عربی دینی

تعلیم گاہوں کے لئے مختص کیا گیا ہے کیا یہ تعلیم گاہیں یہ پاکستان کی تعلیم گاہیں نہیں ہیں۔ کیا قرآن و حدیث کی تعلیم، تعلیم نہیں۔ کیا جو بچے یہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ پاکستانی نہیں ہیں۔ ان کے لئے تعلیم کی مد میں رقم کیوں نہیں رکھی گئی۔ ان کے ساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کیوں کیا جا رہا ہے۔ بہر حال میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ موجودہ حکومت یا اس کے پیش رو حکومتیں اسلامی تعلیم کے لئے کوئی مناسب انتظام کرنے میں مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہیں ایک جامع اسلامیہ بہاولپور ہے جو کہ بالکل ناکام ہے۔ وہاں سے ایک بھی فاضل نہیں نکل سکتا۔ مجھے اس کے پرنسپل نے خود بات کی کہ کیا وجہ ہے کہ ہمارے ہاں کوئی طلبہ نہیں آتے یہاں سے کوئی شخص پیدا نہیں ہوتا۔ وجہ کیا ہے، اچھے اور بڑے بڑے مدرسین بڑی تنخواہوں کے ساتھ وہاں رکھے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ حکومت اس تعلیم کے دینے کی اہل نہیں، اس لئے وہاں سے کام نہیں چلتا۔ اب یہ ہے کہ آج دوسرے مدرسوں پر بھی ہاتھ ڈالے جا رہے ہیں۔

ملک میں یہ بات گونجی تھی کہ عربی مدارس کو حکومت اپنی تحویل میں لے رہی ہے۔ میں نے اس سلسلے میں جناب وزیر اعظم صاحب سے بات کی تھی۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا تھا کہ نہ تو ایسا کوئی ہمارا فیصلہ ہے اور نہ ارادہ ہے۔ یہ تعلیم آزاد تھی۔ انگریزوں کے زمانے میں بھی آزاد رہی انہوں نے پابندی نہیں لگائی تھی۔ آج پاکستان میں تو آزاد ہونی چاہیئے۔ اور مساجد کو محکمہ اوقاف کی تحویل میں لیا جاتا ہے۔ لیکن اس پالیسی یہ ہے کہ اُن مساجد کو لیا جاتا ہے کہ جن سے آمدنی ہو۔ اور آمدنی کے بغیر کوئی مسجد ہو وہ پالیسی نہیں ہے۔ لیکن میں آپ کو ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

گوجرانوالہ میں ایک مدرسہ ہے۔ نصرۃ العلوم اس کا نام ہے جس میں سینکڑوں طلباء تعلیم پاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک مسجد بھی ہے وہ مسجد نور کہلاتی ہے۔ حکومت نے مسجد نور اور مدرسہ دونوں کو تحویل میں لینے کے لئے نوٹیفکیشن جاری کر دیا،

گزٹ ہوگیا اور وہاں پر کہا گیا کہ مدرسہ کا نام تو نہیں لیا گیا۔ یوں لکھا کہ مسجد نور مع ملحقہ ۳/۳ کمرے (ملحقہ ۳/۳ کمرے مدرسہ ہے) اس طریقے سے مدرسہ کو بھی لے رہے ہیں۔

اس میں رانا اقبال جو وزیر اوقاف پنجاب کے ہیں، براہ راست ملوث ہیں کیونکہ وہ بھی گوجرانوالہ کے ہیں۔ ذاتی طور پر جو مقامی مخاصمت ہے اس کے تحت انہوں نے کیا ہے۔ میں نے جناب مولانا کوثر نیازی صاحب سے بھی یہ بات کہی کہ آخر آپ نے بھی اخباری بیان میں کہا تھا کہ مدرسوں کو ہم لینے کے حق میں نہیں ہیں اور وزیر اعظم صاحب نے بھی یہ بات کہی تھی، لیکن اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ جب مقامی لوگوں نے پالیسی کے خلاف سمجھا تو اس کے خلاف رٹ کیا سیشن کورٹ میں، اور وہاں کے لوگوں نے حکومت کے قبضہ میں دینے سے انکار کر دیا کہ ہم پالیسی کے خلاف حکومت کی ایسی بات نہیں مانیں گے۔ عوام اٹھ کھڑے ہوئے تو وہاں پر عوام اور طلباء کے تقریباً ۳۲ آدمی تو گرفتار ہو چکے ہیں اس وقت بھی وہاں ہنگامہ ہے اس طریقے سے مساجد اور مدارس پر بھی سیاسی انتقام کے طور پر قبضے کئے جا رہے ہیں۔

حج پالیسی کے متعلق بہت کچھ کہا جاتا ہے کہ حج کی آزادی ملی ہے۔

حج کی آزادی کیا، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جب ہم نے اپنے روپیہ کی قیمت کم کر دی اور ہمارے ۱۰۔۲۵ روپے برابر ہیں ایک ڈالر کے تو اس وقت اگر ہم پاکستانی روپیہ لے جائیں جب بھی اور اگر ہم زرمبادلہ لے لیں جب بھی یہاں پر ایک ہی صورت ہے کوئی فرق نہیں۔ تو زرمبادلہ کا نقصان تو گورنمنٹ کو بالکل نہیں ہوگا۔ باقی یہ کہ ہمارے بحری جہاز پانچ ماہ پہلے چلتے ہیں اور پانچ مہینے بعد جا کر حاجیوں کو واپس لاتے ہیں۔ وہ جہاز چل پڑے تو اس کا کرایہ گورنمنٹ وصول کرتی ہے۔ اور ہوائی جہاز ڈیڑھ مہینے قبل اور ڈیڑھ مہینہ بعد تک مسلسل چلتے رہتے ہیں۔ وہ بھی کام پر لگ گئے، تین تین پھیرے روزانہ ہوتے ہیں، اس لئے یہ کمائی کا ذریعہ بنا لیا ہے۔

حج کے لئے ایک وفد بھی جاتا ہے اور میں بھی بدقسمتی سے اس وفد میں گیا ہوں لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس حج وفد کا کوئی کام نہیں۔ وہ حکومت کے پیسوں سے حج کراتے ہیں۔ نہ پروپیگنڈا۔ نہ ملک کی نمائندگی۔ نہ حاجیوں کی تکلیف کا احساس، اور نہ حاجیوں کے مسائل معلوم کرنے پر کوئی رپورٹ گورنمنٹ کو پیش کرتا ہے، یہ وفد ایسا جاتا ہے اور چلا آتا ہے، اس وفد کی غیر مؤثر ہونے کی شہادت خود گورنمنٹ دے چکی ہے، اور گورنمنٹ نے کہا کہ وفد بیکار ہے اور اس میں ترمیم کرنے کا ارادہ ہے۔

گذشتہ سال سعودی حکومت نے ایک پابندی لگائی اور وہ یہ کہ معلمین کا انتخاب سعودی حکومت خود کریگی۔ پہلے حاجی اپنی مرضی سے معلم رکھتا اور سامان وغیرہ پر اس کا نام لکھ لیتا، تعلقات کی بنیاد پر بھی لوگ وہاں جاتے اور معلم حضرات کی کنویسنگ بھی ہوتی اور وہ حاجیوں کی ہر طرح خدمت کرتے اور حجاج کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے کیونکہ یہ معلمین کا پیشہ تھا۔ آج جب معلمین بے نیاز ہوگئے کہ گورنمنٹ خود حاجی ہمیں سپلائی کرے گی اس میں ہمارا کوئی اختیار نہیں، تو اس پہلی مرتبہ یہ ہوا کہ حجاج کی کوئی خدمت نہیں ہوئی۔ اتنی مشکلات پیدا ہوئیں کہ پاسپورٹ جدّہ میں جمع ہوئے اور مہر لگادی کہ کسی کی بیوی کا کسی اور معلم کے پاس اور خاوند دوسرے معلم کے پاس، بھائی ایک معلم کے پاس اور دوسرا بھائی دوسرے معلم کے پاس، باپ کسی کے پاس، بیٹا کسی کے پاس، وہاں جا کر وہ اکٹھے ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن دوسرے معلم نے کہا کہ چونکہ میری قسط ادا نہیں کی، اس لئے میری قسط دوبارہ ادا کرو۔ اس طرح دو مرتبہ معلموں کی فیس ادا کرنی پڑی۔ یہ بالکل ناقص پالیسی ہے۔ ہماری وزارتِ حج کو چاہیئے کہ وہ جلد از جلد سعودی حکومت کو متوجہ کرے کہ وہ اس پالیسی کو ترک کر دے۔

جمہوریت کو میں سمجھتا ہوں کہ آپ روزانہ یہ اعلانات کرتے ہیں کہ یہاں مستحکم ہوگئی ہے۔ لیکن آپ یہ بتائیں کہ لوکل باڈیز کے انتخابات آج تک نہیں ہوئے۔

یہ انتخابات حکومت قصداً عمداً فراموش کر رہی ہے، اور وہاں کے نامزد کمیٹیوں اور کونسلوں کے ایڈمنسٹریٹر من مانی کر رہے ہیں اور وہاں پیپلز پارٹی کے ورکروں کو لگا کر وزخورد برد کر رہے ہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کسی جمہوری ملک میں کیا بلدیاتی ادارے انتخابات کے بغیر بھی نامزد ہوں گے۔

جمہوریت کا حال تو یہ ہے کہ سرحد اور بلوچستان اسمبلی دونوں میں ہماری اکثریت تھی اور جناب وزیر اعظم صاحب نے خود تسلیم کیا، تحریری معاہدے کے طور پر لکھا کہ یہاں ان کی اکثریت ہے لیکن آج بلوچستان اور فرنٹیئر دونوں میں پیپلز پارٹی کی واضح اکثریت ہے، یہ کہاں سے اکثریت پیدا ہوئی۔ ۷۰ء میں تو یہ فیصلہ تھا کہ پیپلز پارٹی بلوچستان میں ایک سیٹ بھی نہیں جیت سکی اور فرنٹیئر سے صرف ڈھائی تین سیٹیں ان کو ملی تھیں۔ قومی اسمبلی میں صرف ایک سیٹ عبدالخالق خاں کی ملی جو ہمارے معزز ایوان کے ممبر ہیں، وہ بھی یہاں سے بھاگ گئے۔ لیکن آج وہاں پیپلز پارٹی کی پوری اکثریت ہے، یہ جمہورت کہاں کی جمہوریت ہے۔ کیا نئے انتخابات ہوئے، کیا نئے انتخابات نے فیصلے بدل دیئے ہیں۔ ایسی بات بالکل نہیں، لیکن یہ ہے کہ تخویف، تخریب، تحریف، ترغیب کے ذریعہ سے لوگوں کو گھسیٹا جا رہا ہے۔ زبردستی کی جا رہی ہے، لوگوں کے مزاج کو خراب کر دیا ہے۔

اب تو یہ بھی ہوا کہ کالعدم نیپ کے دو ممبر جو ابھی پیپلز پارٹی میں شامل ہوئے ہیں ان کو وزیر بنا دیا، ایک اکرم خان وہ ہے جب گوجرانوالہ کے قریب ولی خاں کو گرفتار کیا گیا تو یہ ان کے ساتھ تھا، گن اس کے ہاتھ میں تھی یہ وہ شخص ہے۔ لیکن اب جب پیپلز پارٹی میں چلا گیا تو اس کا کوئی جرم نہیں، بلکہ اس کو وزیر بنا دیا گیا، یہ جمہوریت ہے کہ اگر نیپ کے ساتھ ہے تو غدار ہے اور اگر پیپلز پارٹی میں وہی آدمی چلا گیا تو وفادار بن گیا اور اس کو وزارت کا حلف دیا جاتا ہے۔

نئے الیکشن کے سلسلے میں افواہیں پھیلی ہوئی ہیں، لوگ بالکل اندھیرے میں ہیں کچھ نہیں جانتے کہ الیکشن کب ہوں گے۔ ہر شخص پوچھتا ہے حتکہ منسٹر ہم سے پوچھتے ہیں کہ بھئی الیکشن کب ہوں گے، ہم کہتے ہیں کہ آپ بتائیں کہ کب ہوں گے آپ نے بتانا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ خود منسٹر نہیں جانتے کہ الیکشن کب ہوں گے، الیکشن کی تیاری ہو رہی ہے، پولنگ اسٹیشن متعین کر دیئے گئے ہیں، ریٹرنگ افیسر کی تقرری ہو چکی ہے، کنویسنگ جاری ہے، دَورے ہو رہے ہیں کنونشن ڈویژن وار اور ضلع وار ہو رہے ہیں لیکن اس کے باوجود قوم کو کوئی پتہ نہیں ہے کہ الیکشن کب ہوں گے۔ اس سلسلے میں الیکشن کا واضح اعلان ہونا چاہیئے اور جناب وزیراعظم صاحب نے اعلان کیا تھا کہ مَیں الیکشن آزاد کراؤں گا۔ قوم سے وعدہ کیا، بالکل اچھی بات ہے، ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں، دِل کم کہتے ہیں کہ آزاد انتخابات ہونے چاہیئں۔ لیکن آزاد انتخابات کی کچھ علامتیں ہیں کچھ اقدامات ایسے کرنے پڑیں گے جن سے یقین ہو جائے کہ واقعی آزاد الیکشن ہوں گے، اور یہاں یہ بحث بھی آئی کہ انتخابات بالاقساط ہوں گے یا ایک دن میں ہوں گے۔ اس مسئلہ کو بھی واضح طور پر حل کرنا چاہیئے تاکہ قوم مطمئن ہو اگر انتخابات بالاقساط ہوئے تو اس کا مطلب ہوا کہ آزاد الیکشن نہیں ہوں گے۔

آزاد الیکشن کے لئے کچھ اقدامات کرنے ہوں گے، مثلاً پورے ملک میں شہری آزادیاں بحال ہو جائیں، دفعہ ۱۴۴ کو اٹھایا جائے، ایمرجنسی کو ہٹایا جائے، اخبارات سے پابندی اٹھائی جائے، ریڈیو پاکستان ٹیلی ویژن ابلاغ کے تمام ذرائع کو تمام پارٹیوں کے لئے آزاد کیا جائے، اس کے علاوہ تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے، اگر سیاسی حریف جیل میں ہو تو آپ الیکشن کیسے کرائیں گے، لہذا سب سے پہلے سیاسی قیدیوں کو آزاد کرنا ضروری ہے تیسری بات

یہ کہ فوج کو بلوچستان سے واپس بلایا جائے۔ آج موجودہ حالات میں بلوچستان کے
عوام ووٹ ڈالنے کے لئے کس طرح پولنگ اسٹیشنوں تک پہنچ سکتے ہیں جب
کہ وہ غریب اِدھر اُدھر بھاگ گئے ہوئے ہیں، اس لئے فوج کو بلا کر نارمل حالات
پیدا کیئے جائیں اس کے بعد الیکشن ہوں ورنہ الیکشن کبھی نہیں ہوں گے۔ اور اپوزیشن
پارٹیاں پھر سوچیں گی ایسا الیکشن کرانے کے لئے تیار بھی ہیں یا بائیکاٹ کیا جائے،

میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں پر اسی پارلیمنٹ میں آپ کے حکم سے تین
آدمیوں کے اخراج کا حکم دیا تھا کہ ان کو ایوان سے باہر نکالا جائے۔ یہاں کی جمہوریت
بتانا چاہتا ہوں ان تین آدمیوں کو لینے کے لئے یہاں پتہ نہیں کون لوگ تھے جن کو
آپ نے بھیجا تھا۔ یہاں چوہدری ظہور الٰہی کے قریب اس کے گلے پڑ گئے اور ہم سمجھ
رہے کہ شاید اس کو یہیں مروانا چاہتے ہیں اس کو اٹھایا۔ اس کے ساتھ آپ نے تین
آدمیوں کی بات کی تھی وہ آدمی نہیں تمام اپوزیشن کے ممبروں کو نکال دیا گیا۔ ہمیں بھی
ساتھ اٹھا دیا گیا، ہم نے کونسا گناہ کیا تھا ان سپورٹرز کے نکالنے کے لئے آپ نے ہمیں
کہا تھا۔ ہمیں یہاں سے اٹھا کر باہر سڑک پر پھینک دیا گیا اس کے بعد دروازے بند
کر دیئے گئے اور بند دروازوں میں وہ اہم جو تھا ترمیمی بل پاس کر دیا گیا۔ تو میں یہ سمجھتا
کہ وہ پیپلز پارٹی کی میٹنگ تھی وہ اسمبلی کے ایوان کا اجلاس نہیں۔ ہم بھی اسمبلی
کے ایوان کے ممبر ہیں، دروازے ہم پر کیوں بند کر دیئے جب ہمارا حق تھا، میں
سمجھتا ہوں کی جمہوریت اور پارلیمانی روایات پر وہ دھبہ پڑا ہے کہ ملک کا وقار
اس سے اور اس پارلیمنٹ کا وقار مجروح ہو گیا ہے

ڈیرہ اسماعیل خان کے مسائل میں ذرا اپنے حلقے، اپنے ضلعے کے
مسائل بھی آپ کے سامنے پیش کرنا
چاہتا ہوں، اس دن جناب مولانا ہزاروی صاحب نے بلاوجہ غلط اعداد و شمار

آپ کے سامنے پیش کیے تھے، میں بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارا مطالبہ چشمہ رائٹ کینال کے پانی کے لیئے ۱۰ ہزار سات سو باسٹھ کیوسک کا تھا، انہوں نے تیرہ ہزار فرمایا یعنی تین ہزار کا اس میں اضافہ کر دیا،

یہ ہم نے ایسا مطالبہ نہیں بلکہ اس پر انجینئر بیٹھے، تمام انجینئروں نے زمین کی پیمائش کے مطابق پانی کا حصّہ طلب کرنے پر مطالبہ کیا تھا، میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ڈیرہ اسماعیل خان کے ضلع میں سترہ لاکھ ایکڑ زمین وہ ہے جو بالکل صاف ستھری ہے کوئی اس میں اونچ نیچ نہیں، اگر پانی مل جاتا ہے تو سترہ لاکھ ایکڑ زمین ایک ضلع میں سیراب ہو کر پورے فرنٹیر کا صوبہ خود کفیل ہو جائے گا، وہ پنجاب یا بیرونی امداد کا محتاج نہیں رہے گا، پاکستان ہی کا صوبہ ہے، باہر کا نہیں، پندرہ لاکھ ایکڑ زمین چشمہ رائٹ بنک کینال سے یہ سیراب ہو سکتی ہے، لیکن اس میں خواہ مخواہ ٹال مٹول کی پالیسی اختیار کی گئی ہے، ہمارا کوئی جھگڑا نہیں تھا ہمارا صرف مطالبہ تھا کہ ایسا کیا جائے، ہماری وزارت کے زمانے میں بھی ہم نے وزیر اعظم صاحب جو اس وقت صدر تھے عرض کیا تھا کہ آپ اس کی منظوری دیں، اس لیئے کہ اس وقت ۵ لاکھ سے اوپر کا منصوبہ میں مرکزی حکومت کی منظوری لازمی ہوتی تھی لیکن منظوری نہیں دی گئی اور آج تک اُسے مسلسل ٹالا جا رہا ہے اور کہتے ہیں جب پانی کی تقسیم ہو گی سندھ اور پنجاب کے درمیان تو تمہارا حصّہ بھی متعین کر دیا جائے گا،

دریائے سندھ میں ہمارا حصّہ میں سمجھتا ہوں سب سے زیادہ ہے اس لیئے کہ دریائے سندھ ۵ سو میل فرنٹیر کے اندر بہتا آتا ہے اور پانی میں طریقہ یہ ہے کہ جو سب سے پہلے ہوتا ہے سب سے پہلے سیراب کرتا ہے زمین کو، جو بعد میں ہوتا ہے بعد میں سیراب کرتا ہے، لیکن فرنٹیر کا صوبہ دریائے سندھ سے بالکل محروم ہے اور ایک بوند بھی پانی کا ہمارے صوبہ کو اس سے نہیں لگتا، اور اگر آپ کہیں کہ دریائے سندھ،

سندھ کی ملکیت ہے پنجاب کی ملکیت ہے ہمارا حصہ نہیں ہے تو میں عرض کروں گا، کہ یہ دریائے کابل جو اکوڑہ توشہرہ سے ہوتے ہوئے اٹک کے پل کے قریب اس دریا سے نکلتا ہے یہ تو خالص فرنٹیر کا پانی ہے۔ اس پانی کو ہمیں ڈیرہ اسماعیل خان واپس کر دو۔ اس میں آپ کا ہم شکریہ بھی ادا کریں گے اور ہمارا ہو جائے گا۔ آخر وہ زمین بھی پاکستان ہی کی زمین ہے اگر وہ کاشتکاری کے قابل ہو جائے۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ فرنٹیر میں کل ۱۰ لاکھ ایکڑ زمین زیر کاست ہے اور اس سے پانچ لاکھ ٹن غلہ پیدا ہوتا ہے لیکن فرنٹیر کی آبادی کے اعتبار سے وہاں پر ان لوگوں کو تقریباً ۱۲ لاکھ ٹن غلہ درکار ہے۔ بارہ لاکھ ٹن اس کی پیداوار ہو سکتی ہے اور صوبہ مکمل طور پر خود مختار ہو سکتا ہے اور اس کا بوجھ جو پنجاب پر پڑ رہا ہے ہلکا پڑ جائے گا، یہ بہت اچھی سکیم ہے، جہاں تک کجھوری ڈیم کا تعلق ہے اس پر یقیناً کروڑوں روپے خرچ ہو چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اسے ترک کر دیا گیا ہے اتنا اہم منصوبہ جو زراعت کے لئے بڑا ضروری تھا ترک کر کے کروڑوں روپے ملک کے ضائع کر دیئے۔ اور اگر اس پر اور خرچ کر لیا جاتا تو یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا

ہمارا مسئلہ صرف پانی کا ہے ہمیں پانی چاہیئے، صرف پانی، اگر پانی مل جاتا ہے اور ہماری ۱۵ لاکھ ایکڑ زمین مزید سیراب ہو جاتی ہے تو وہاں یقیناً گنا پیدا ہو گا، کپاس پیدا ہو گی ہر چیز ہو گی، کارخانے بھی لگیں گے اور شوگر مل بھی لگ سکتی ہے ٹیکسٹائل ملیں بھی لگ سکتی ہیں، جب خام مال ہم پیدا کریں گے تو پھر کارخانے لازماً لگیں گے، اس کے ساتھ سڑکیں بھی بن سکتی ہیں، اور ترقیات کی بڑی سکیمیں بھی چل سکتی ہیں، غریب لوگ برسر روزگار ہو جائیں گے۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ پانی کی دو سکیمیں فوری طور پر مکمل کی جائیں، جہاں تک دوسرا مسئلہ ہے وہ یہ کہ ڈیرہ اسماعیل خان کا ضلع گرمی کے زمانے میں ایک جزیرہ بن جاتا ہے اس لئے

کوئی راستہ پنجاب کے ساتھ باقی نہیں رہتا، ادھر سے دریا پر کشتیوں کا پل ٹوٹ جاتا ہے اور دریا خان اور میانوالی کے ضلع سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے، اس طرح یہ پسماندہ ضلع تقریباً آٹھ نو مہینے مسلسل جزیرے کی شکل اختیار کر لیتا ہے، وہاں پر دریا خان اور ڈیرہ اسماعیل خان کے درمیان پُل کا منصوبہ بن چکا ہے، اس پل کی منظوری مل چکی ہے اور گذشتہ سال ۹۸ لاکھ روپے کی منظوری بھی دی جا چکی تھی، لیکن اس کے بعد وہ روپیہ واپس لے لیا گیا اور اس کو سٹیل مل کراچی کی طرف منتقل کر دیا گیا۔

اگر یہ پُل بن جائے تو اس سے ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ ہمارا سارے پاکستان کے ساتھ رابطہ قائم ہو سکتا ہے اس لئے یہ پُل نہایت ضروری ہے۔ اگر وزیر خزانہ ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف توجہ دیں تو یہ بڑی اچھی بات ہو گی، ان الفاظ کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مسٹر بھٹو چیئرمین پیپلز پارٹی
کا پہلا خط

پرائم منسٹرز ہاؤس
راولپنڈی
۱۴/مارچ ۱۹۷۷ء

مکرمی مفتی صاحب

کل رات میں نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تقریر کرتے ہوئے آپ کو اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے جو دعوت دی تھی آپ کو یہ خط اسی سلسلہ میں تحریر کر رہا ہوں، میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں، مجھے امید ہے کہ آپ کا جواب اثبات میں ہوگا اور جواب دیتے وقت آپ کے ذہن میں قوم کا وسیع تر مفاد ہوگا، میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میری طرف سے یہ مذاکرات خلوص نیت اور کھلے دل کے ساتھ ہوں گے،

آپ کا مخلص
(دستخط) ذوالفقار علی بھٹو "

مفتی محمود صدر پاکستان

قومی اتحاد کا پہلا جواب

پشاور ۱۴/ مارچ ۱۹۷۷ء

مکرمی بھٹو صاحب!

آپ کے خط محررہ ۱۳/ مارچ ۱۹۷۷ء جو مجھے آج ۱۴/ مارچ ۱۹۷۷ء کو دو بجے شب ملا، تحریر ہے کہ پاکستان قومی اتحاد میں شامل جماعتوں کے سربراہوں کے اجلاس میں آپ کی اس تقریر پر غور کیا گیا جو آپ نے پاکستان ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر کی تھی۔ غور کرتے وقت ہمارے ذہن میں قوم کا وسیع تر مفاد تھا۔ اجلاس میں شرائط واضح نہ ہونے کے باعث بات چیت میں شامل نہ ہونے کا فیصلہ کیا گیا۔

اگر آپ کوئی نئی تجویز پیش کریں گے، تو ہم اپنے اگلے اجلاس میں اس پر بخوشی غور کریں گے۔

آپ کا مخلص

مفتی محمود

صدر پاکستان قومی اتحاد

مسٹر بھٹو چیئرمین پیپلز پارٹی

کا دوسرا خط

پرائم منسٹرز ہاؤس راولپنڈی

۱۵/ مارچ ۱۹۷۷ء

مکرمی مفتی صاحب

آپ کا خط محررہ ۱۴/ مارچ موصول ہوا۔ مذاکرات کی شرائط جس کے لئے میں نے آپ کو اپوزیشن لیڈر کی حیثیت سے مدعو کیا ہے بالکل واضح ہیں۔ یہ بدیہی امر ہے کہ میں کوئی ایسی تجویز پیش نہیں کر سکتا جو آئین کی حدود سے باہر ہو۔ ایک مرتبہ جب فریقین یہ بات سمجھ لیں گے تو بات چیت کے دوران میرا خلوص واضح ہو جائے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی جو شکایات ہوں گی مذاکرات میں آئینی حدود کے اندر ان کی تلافی کے طریقوں پر غور کیا جائے گا۔ آپ بھی اس بات سے اتفاق کریں گے کہ آئین کا مطلب پاکستان کا استحکام ہے اور اُسے نظر انداز کرنے کے نتائج ملک کے لئے انتہائی تباہ کن ہوں گے۔

آپ کا مخلص

ذُوالفقار علی بھٹو

مفتی محمود صدر پاکستان

قومی اتحاد کا دوسرا جواب

مکرمی بھٹو صاحب

آپ کا پندرہ مارچ ۷۷ء کا خط کل رات بارہ بجکر پچاس منٹ پر مجھے ملا۔ اس وقت قومی اتحاد کی جنرل کونسل کا اجلاس ہو رہا تھا۔ مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے متذکرہ بالا خط میں بھی اس معاملہ پر اپنے موقف کی وضاحت نہیں کی کہ عام انتخابات کے دوران پورے ملک میں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پولنگ میں دھاندلیاں ہوئیں جن کی وجہ سے قومی اتحاد کو بہت کم حلقوں میں کامیابی حاصل ہوئی اس کی حیثیت بہت معمولی رہ گئی۔

۷/ مارچ کو عام انتخابات کے نام پر پورے ملک میں ایک ڈھونگ رچایا گیا۔ اس روز انتظامیہ نے اس امر کی پوری کوشش کی کہ ایک ایسا لیڈر اور ایسی حکومت جسے عوام بڑی اکثریت سے مسترد کر چکے ہیں اس کو نئی مدت کے لئے اقتدار دلایا جائے ۷/ مارچ کو آپ نے اور سرکاری انتظامیہ نے اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے جس انتخابی نتیجہ کا اعلان کیا ہے اسے پاکستانی عوام اور پاکستان قومی اتحاد نے مسترد کر دیا ہے۔ ووٹروں نے قومی اتحاد کی اپیل کرتے ہوئے ۱۵/ مارچ کو صوبائی اسمبلی کے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا، آپ کی انتظامیہ نے ۱۱/ مارچ کو یہ اعلان کر کے کہ ۶۲ فی صد ووٹروں نے حق رائے دہی استعمال کیا ہے بد دیانتی کا ایک اور ثبوت پیش کر دیا ہے، حالانکہ اس سے زیادہ لغو اعلان اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

پاکستان کے عوام اور پاکستان میں مقیم غیر ملکی باشندوں کو اس بات کا علم ہے کہ ۱۰ مارچ کو پی این اے کی اپیل پر پورے ملک میں ہڑتال ہوئی عوام نے ثابت کر دیا کہ ۷ مارچ کو قومی اسمبلی کے جو انتخاب ہوئے تھے ان کے متعلق ان کی کیا رائے ہے۔ ۱۴ مارچ سے پاکستان کے عوام ملک کے گوشے گوشے میں اس طریقہ کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں جو ۷ اور ۱۰ مارچ کو ناجائز طور پر استعمال کیا گیا۔ ہمارا مطالبہ ۱۲ مارچ کی قرارداد کی شکل میں موجود ہے جس میں یہ کہا گیا تھا کہ قومی اسمبلی کے انتخابات دوبارہ کرائے جائیں تاکہ دیانتدارانہ اور منصفانہ انتخابات کے بارے میں آئینی تقاضے پورے کئے جائیں، یہ انتخابات ایسی انتظامیہ اور ایسے اداروں کو کرانے چاہئیں جن کو عوام اور قومی اتحاد کا اعتماد حاصل ہو۔

جن لوگوں نے رائے عامہ اور حق رائے دہی کے آزادانہ استعمال کی راہ میں رکاوٹ پیدا کی ان پر آئین کو سبوتاژ کرنے کا الزام عاید ہوتا ہے۔ جب وہ لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ عوام حق رائے دہی کا استعمال آزادی کے ساتھ منصفانہ اور غیر جانبدارانہ فضا میں کریں وہی لوگ آئین کے نفاذ کے حامی ہیں، قومی اتحاد آئین اور پاکستانی عوام کے آئینی حقوق کا حامی ہے۔

اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ آپ مذاکرات کے لئے جس نوعیت کی مبہم دعوتیں دے رہے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے آئین اور عوام کے جمہوری حقوق کی جو خلاف ورزیاں کیں، ان کو درست ثابت کرنے کے لئے قومی اتحاد کی طرف سے ان کی تصدیق حاصل کر لی جائے۔

اس وقت جبکہ ہم آپ کے خطوط کے جوابات مرتب کر رہے ہیں ان لوگوں کو جو آئینی حقوق کی بحالی کی جدوجہد کر رہے ہیں آپ کے حکم پر نہ صرف گرفتار کیا جا رہا ہے۔ بلکہ

انہیں بڑی طرح مارپیٹ کر اور بے رحمی سے قتل کیا جا رہا ہے۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ اس خط کا جواب دیتے وقت پاکستانی عوام کی رائے عامہ کو ملحوظ رکھیں گے، جس کا اظہار نمایاں طور پر کیا جا رہا ہے :

آپ کا مخلص

مفتی محمود

مسٹر بھٹو چیئرمین پیپلز پارٹی
کا تیسرا خط

پرائم منسٹرز ہاؤس راولپنڈی ۔

۱۹/ مارچ ۱۹۷۷ء

مکرمی مفتی صاحب

میرے پندرہ مارچ کے خط کے جواب میں آپ نے جو مکتوب بھیجا اس کے جواب میں صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مَیں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ یہ کیوں کہتے ہیں کہ مَیں نے انتخابات میں اپنا میں اپنا موقف واضح نہیں، میرے سابقہ خطوط میں آپ کو یقین دلایا گیا تھا کہ آپ کو جس قدر اور جس نوعیت کی شکایات ہوں گی ہم آئین اور قانون کے مطابق پوری دیانت داری سے ان کے ازالے کے ذرائع تلاش کریں گے ۔
مجھے یقین ہے کہ آپ اس امر سے اتفاق کریں گے کہ اس خط وکتابت میں پروپیگنڈے کا کوئی پہلو نہیں ہے جب کہ اس سے وسیع تر مفاد وابستہ ہے ۔ ہمیں تعمیری بات چیت کا آغاز کرنا چاہیئے ۔ مَیں صرف پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے آپ کو مذاکرات کی دعوت دینے اور اس دعوت کی تجدید پر مجبور نہیں ہوں میری پارٹی نے بھاری اکثریت کے ساتھ عوام سے اعتماد کا ووٹ حاصل کیا ہے ۔ اس حقیقت کے خلاف دھاندلی کے الزامات خواہ کتنی ہی شد ومد سے لگائے جائیں ان سے انتخابی نتائج کی حیثیت متنازعہ نہیں ہو سکتی ۔ مَیں ملک کے انتظامی سربراہ کی حیثیت سے ایسے جائز مطالبات کی تکمیل کرنا چاہتا ہوں جو آپ کی طرف سے پیش کیے جا رہے ہیں ۔

۸/ مارچ سے جب سے آپ کے اتحاد نے غیر آئینی طرزِ عمل اپنانے کی پالیسی اختیار کی ہے ۔ میری حکومت نے اعتدال پسندی اور تحمل کی پالیسی اختیار کی ہے ۔

میری حکومت نے اعتدال پسندی اور تحمل کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ لیکن آپ کی طرف سے اس کا کیا جواب ملا ہے۔ ہر روز آپ ، آپ کے ساتھی اور آپ کے حامی تشدد ابھار رہے ہیں وہ روزانہ ملک کے سیاسی استحکام کے منافی مظاہرے کر رہے ہیں۔ اس منفی طرز عمل سے جو نتائج مرتب ہورہے ہیں۔ ان سے غریب عوام کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔ میں ایک واضح مثال دیتا ہوں آپ کے اتحادیوں نے انتخابی مہم کے دوران قیمتوں کو سب سے بڑا مسئلہ بنایا تھا آپ کی موجودہ سرگرمیوں کے باعث قیمتیں اور چڑھ گئی ہیں۔ یقیناً اس سے پاکستان کے مفادات کی کوئی خدمت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے ملک کی اقتصادی وسماجی زندگی ہل گئی ہے۔ یہ ضرر رساں کوششیں اس وقت کی جارہی ہیں جب ہمیں اپنی اجتماعی صلاحیتوں کو اپنی اقتصادی صورت حال بہتر بنانے کے لئے وقف کر دینا چاہیئے تھا آپ کے اتحادی نفرت اور اشتعال پھیلا رہے ہیں۔ جب کہ تمام ذمہ دار سیاسی عناصر کو چاہیئے تھا کہ وہ اپنی تمام تر توجہ خوشگوار معاشرے کی تشکیل پر کرتے ۔ تو حالات حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ تاہم مجھے ابھی اُمید ہے کہ آپ کے درمیان جو معقولیت پسند حضرات ہیں ان کی رائے کو اہمیت حاصل ہو گی ۔

آپ نے اپنے خط میں دعوے کیا ہے کہ عام انتخابات میں پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق دھاندلیاں کی گئی ہیں جس سے یہ انتخاب ایک سوانگ سے زیادہ نہیں رہا، یہ دعویٰ کرتے وقت آپ یہ بھول گئے ہیں کہ قومی اتحاد کی انتخابی حیثیت کے متعلق آپ نے جو موقف اختیار کیا ہے اس سے اس کو بھی ضعف پہنچتا ہے۔ آپ کا موقف یہ ہے کہ قومی اتحاد نے بہت بڑی تعداد نشستیں حاصل کی ہیں۔ میں نے آپ کو بات چیت کی دعوت دی تاکہ ہم کسی مفاہمت پر پہنچ سکیں۔ کیا آپ یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ عام انتخابات کے جواز کو تسلیم کرنے سے آپ کا یہ دعویٰ کھوکھلا ثابت ہوتا ہے

اور اس طرح سوائے تعطل کے اور کچھ نہیں ہوگا۔

آپ نے اپنی سوچ کے مطابق صورتِ حال کا جو اندازہ لگایا ہے اس کے قطع نظر یہ بات حقیقت سے دور ہے کہ عوام نے انتخابات کے نتائج کو مسترد کر دیا ہے۔ جہاں تک صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا تعلق ہے حقیقت یہ کہ ہے کہ صرف آپ کے امیدواروں نے ان کا بائیکاٹ کیا۔ میرے دِل میں آپ کا بے حد احترام ہے۔ اس کے باوجود مَیں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ کس طرح یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ آپ نے جمعہ کی ہڑتال کی جو اپیل کی تھی اس میں مکمل کامیابی ہوئی جب کہ بلشترز دکانیں عام طور پر اُس روز بند ہوتی ہیں، اس لئے آپ کا یہ دعویٰ کہ آپ کے اتحاد کی اپیل پر پاکستان کے گوشے گوشے میں لبیک کہا گیا حقیقت سے دُور ہے۔ اپنے مکتوب میں آپ نے الیکشن کمیشن کی دیانت داری کو چیلنج کیا ہے تو اس کی کوئی اہمیت ہے اور نہ ہی میرے لئے باعث حیرت، کیونکہ انتخابی مہم کے دوران آپ کے بعض ساتھی کھُلے بندوں یہ کہہ چکے ہیں کہ وہ انتخابات میں اپنی شکست کو تسلیم نہیں کریں گے۔ سات مارچ سے بہت پہلے انہوں نے اعلان کر دیا کہ آپ کا اتحاد پہلے ہی جیت چکا ہے ووٹوں کی گنتی تو محض رسمی کارروائی ہے۔ اس قسم کے رویّہ سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے دل میں جمہوریت اور جمہوری اداروں کا کس قدر احترام ہے آپ کے خط کی تحریر اور لب و لہجہ کے باوجود مَیں نے پہلے ہی ایسا عمل شروع کر دیا ہے جس سے شکایات کا فوری ازالہ ہوگا، بشرطیکہ ان کے ساتھ ثبوت مہیّا کیا جائے، اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے مَیں نے اس سلسلے میں آپ کو تجاویز پیش کرنے اور ان پر غور کے لئے دعوت دی ہے، دریں اثنا آج بلاشُبہ آپ اس بات کا اعتراف کریں گے کہ مَیں کسی طاقت کو ملک کے اندر انتشار اور لاقانونیت پھیلانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میرا یہ اوّلین فرض ہے کہ لوگوں کی جان و مال کی ہر قیمت پر

حفاظت کروں اور شہری امن میں خلل نہ پڑنے دوں، ان ذمہ داریوں سے میں گریز نہیں کر سکتا، آپ کا موقف یہ ہے کہ پُرامن شہریوں کو گرفتار اور قتل کیا جا رہا ہے، میں واشگاف الفاظ میں اس الزام کی تردید کروں گا، کیونکہ یہ بالکل لغو ہے جن لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہے وہ دراصل پُرامن شہری نہیں جیسا کہ آپ نے کہا ہے، بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں قانون کی خلاف ورزی کی، لوگوں کو ہنگامہ آرائی پر اکسایا، املاک کو جلایا اور لوٹا اور بے گناہ لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگے، تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو لوگ آئینی اور قانونی راستہ اختیار کرتے ہیں انہیں اپنا نمائندہ اور تعمیری کردار ادا کرنے کا پورا موقعہ ملے گا۔

مجھے اس امر میں ذرہ برابر شبہ نہیں ہے کہ عوام کی غالب اکثریت ہلڑ بازی اور ہنگامہ آرائی سے اُکتا چکی ہے اور وہ ابھی ٹیشنوں کی سیاست کی حمایت نہیں کریں گے، توڑ پھوڑ کی کارروائیوں کے دوران مذاکرات کا خوش گوار نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

آپ کا مخلص،

ذوالفقار علی بھٹو

پشاور

۲۰/ مارچ

مکرمی بھٹو صاحب!

آپ نے ۱۹/ مارچ کو جو خط بھیجا تھا اس کی وصول کی تصدیق کے لئے آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں چونکہ قومی اتحاد کے لیڈروں کی اکثریت جس میں اتحاد کے سیکرٹری جنرل پروفیسر غفور احمد بھی شامل ہیں جیل میں ہیں ان کی رہائی اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ میں کل شام اتحاد کے لیڈروں کا اجلاس منعقد کرا سکوں۔

آپ کا مخلص
مفتی محمود

مفتی محمود صدر پاکستان
قومی اتحاد کا تیسرا جواب

۲۳/ ڈیوس روڈ لاہور

۲۴/ مارچ ۱۹۷۷ء

مکرمی بھٹو صاحب

آپ کا ۱۹/مارچ ۷۷ء کا خط مجھے ۲۰/ مارچ سہ پہر کو موصول ہوا۔ میرے ساتھیوں کی رہائی کے بعد اس خط پر پاکستان قومی اتحاد کی جنرل کونسل کے اجلاس منعقدہ ۲۲/ مارچ میں غور کیا گیا آپ کے اس خط کو پڑھنے سے صاف طور پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ اپنے رویہ میں سخت سے سخت تر ہوتے جا رہے ہیں۔ ان خطوط کا مقصد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ آپ تو اتحاد کے ساتھ بات چیت کرنے کے خواہش مند ہیں لیکن ہم کسی قیمت پر بھی آپ سے بات کرنے پر آمادہ نہیں حالانکہ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔

آپ نے اپنی پیش کش کی ابتدا ۱۲/ مارچ کو ریڈیو، ٹیلی ویژن براڈکاسٹ کے ذریعہ کی، حسب عادت اپنی تقریباً ۴۰ منٹ کی تقریر میں اپوزیشن پر بے بنیاد، گھسے پٹے پرانے الزامات کو دہرایا، جی بھر کر بُرا بھلا کہا۔ دھمکیاں دیں، اور واضح طور پر یہ موقف اختیار کیا کہ جہاں تک قومی اسمبلی کے انتخابات کا تعلق ہے، یہ ایک طے شدہ معاملہ ہے اس موضوع پر کوئی بات چیت نہیں ہو سکتی۔

البتہ دیگر امور زیر بحث لائے جا سکتے ہیں۔ اس لئے یہ آپ ہی ہیں جنہوں نے مذاکرات کے دروازے کو پہلے ہی نشریہ میں بند کر دیا کیونکہ ہمارے نزدیک اصل معاملہ ہے ہی یہ کہ ۷ مارچ کو قومی اسمبلی کے الیکشن دستور کے مطابق نہیں ہوئے ہیں، ایک طے شدہ منصوبہ کے ذریعہ اس دن پوری قوم کے ساتھ فریب کیا گیا۔ اس لئے اصل مسئلہ قومی اسمبلی کے انتخابات کے انعقاد کا ہے جو آپ کے نزدیک طے شدہ معاملہ اور ناقابل گفت و شنید ہے۔

اپنے ۱۳/ مارچ کے خط میں آپ نے اپنی ۱۲/ مارچ کی نشری تقریر کو مذاکرات کے لئے پیش کش سے تعبیر کیا جو حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں تو آپ نے اپوزیشن کو برا بھلا کہنے کے بعد یہ واضح کر دیا تھا کہ قومی اسمبلی کے انتخابات کے انعقاد پر آپ ہرگز کوئی بات کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔"

اسی لئے میں نے ۱۴/ مارچ کو آپ کو لکھا تھا کہ آپ کی نشری تقریر کے پیش نظر ملک کا وسیع تر مفاد اس بات کا متقاضی ہے کہ موضوع کے تعین کے بغیر بات چیت لا حاصل ہوگی، اس لئے آپ گفتگو کی با مقصد پیش کش موضوع کی صراحت کے ساتھ کریں تاکہ ہم اس پر غور کر سکیں، ہمارا خیال تھا کہ ملک و ملت کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ اپنے رویہ میں معقول تبدیلی پیدا کریں گے۔"

لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ نے اپنے ۱۵/ مارچ کے خط میں صاف صاف وضاحت کرنے کی بجائے الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ بات کو مزید پیچیدہ بنانے کی کوشش کی آپ نے اس خط میں کہا ہے کہ بات چیت کا دائرہ آپ کے نزدیک بالکل واضح ہے یعنی آپ نے اسی موقف کو دہرایا کہ قومی اسمبلی کے الیکشن کے انعقاد کے بارے میں آپ کوئی مذاکرات کرنے پر کسی قیمت پر بھی آمادہ نہیں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس خط میں آپ نے پھر قومی اتحاد پر بے بنیاد اور سنگین الزام تراشی

کی ہے، آپ نے کہا کہ آپ کسی ایسی تجویز کو زیر بحث لانے پر آمادہ نہیں ہو سکتے جو دستور کے دائرہ سے متجاوز ہو اور یہ کہ دستور پاکستان کے استحکام کا ذریعہ ہے اور اس سے تجاوز ملک کو خطرناک صورت حال سے دوچار کر سکتا ہے، آپ کو دستور اور اس کے مندرجات کا کتنا لحاظ ہے اور آپ نے خود دستور پر کتنا عمل کیا ہے یہ بات تو یہاں زیر بحث نہیں لیکن میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ کب اور کہاں ہم نے یہ کہا ہے کہ ہم کوئی ایسا مطالبہ کر رہے ہیں جس سے دستور کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اور آپ نے کیسے یہ نتیجہ نکالا کہ ہمارا مطالبہ دستوری حدود کے اندر پورا نہیں کیا جا سکتا اس خط میں آپ نے نہ صرف یہ کہ موضوع کی صراحت سے دانستہ طور پر گریز کیا بلکہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ ہم دستور کی حدود کو پامال کرنے پر تلے ہوئے ہیں، حالانکہ اب قوم اس حقیقت سے واقف ہے کہ ہماری جدوجہد دستور کی بالادستی اور اس پر حقیقی طور پر عمل کرنے کے لئے ہی ہے اور دستور کی خلاف ورزی آپ کی جانب سے ہوئی ہے حالانکہ آپ کا فرض اس پر نیک نیتی سے عمل کرنا اور کرانا تھا۔

آپ کے ۱۵/ مارچ کے خط میں ہماری درخواست کے باوجود موضوع کی صراحت نہیں کی گئی بلکہ اُسے بھی الزام تراشی کے لئے استعمال کیا گیا، اس میں کوئی بات ایسی نہیں تھی جس کا جواب دیا جاتا، لیکن پھر بھی ہم اس خط کو جنرل کونسل میں زیر بحث لائے اور ۱۷/ مارچ کو میں نے دوبارہ آپ کو اپنے موقف سے آگاہ کیا، ہم نے آپ کو یاد دلایا کہ ۷/ مارچ ۷۷ء کو الیکشن کے نام پر پوری قوم کو دھوکہ دیا گیا، رائے دہندگان نے پیپلز پارٹی کو مسترد کر کے قومی اتحاد کے حق میں اپنی رائے کا استعمال کیا لیکن فریب دھاندلی اور دھوکہ دہی کے ذریعہ برعکس نتائج کا اعلان کر دیا گیا پوری قوم بجا طور پر اس پر مضطرب ہے، ۱۰/ مارچ، ۱۱/ مارچ اور ۱۴/ مارچ سے

رونما ہونے والے واقعات قوم کے جذبات کی ٹھیک ٹھیک عکاسی کر رہے ہیں غالباً صرف آپ ہی اس حقیقت کو جھٹلا سکتے ہیں لیکن یہ انکار حقیقت کو بدل نہیں سکتا، ہم نے اپنی جانب سے اپنے ۱۷ مارچ کے خط میں اپنے موقف کی دوبارہ وضاحت کر دی کہ دستور کے تقاضوں کے مطابق قومی اسمبلی کے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کا انعقاد قوم کا جائز مطالبہ ہے اور دراصل اپنی دستوری ذمہ داریوں کو پورا نہ کر کے بلکہ اس کے بالکل برعکس عمل کر کے آپ اور آپ کی حکومت دستور کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے ہیں، اس لئے ہم نے پھر آپ سے اپیل کی کہ آپ قوم کے فیصلے کو تسلیم کر لیں اور اس کے مطابق عمل کریں''۔

لیکن ۱۹ مارچ ۱۹۷۷ء کے اپنے طویل خط کو بھی آپ نے مذاکرات کے موضوع کے تعین کے بجائے الزام تراشی ہی کے لئے استعمال کیا ہے، اس خط کے جواب کا انتظار کئے بغیر پوری خط و کتابت کو یک طرفہ طور پر پریس میں شائع کر دینے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس خط و کتابت کا مقصد قومی اتحاد کو مطعون کرنا، معاملہ کو الجھانا اور ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت رائے عامہ کو گمراہ کر کے اس تشدد کے لئے جواز پیدا کرنا ہے جو آپ عوام پر ان دنوں کر رہے ہیں اور آئندہ مزید کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے اس خط کے دوسرے پیراگراف میں اپنے موقف کے صاف صاف اظہار سے پھر گریز کیا ہے حالانکہ میں مسلسل آپ سے اس کی وضاحت کی درخواست کر رہا ہوں، میں اپنی جانب سے اتحاد کے اس موقف کا پھر اعادہ کرتا ہوں کہ ۷ مارچ کے الیکشن آپ نے اور آپ کی انتظامیہ نے دانستہ طور پر ایک فریب میں تبدیل کر دیئے، یہ انتخابات دستور کے مطابق ہوئے نہیں ہیں اس لئے قومی اسمبلی کے از سر نو انتخابات ہونے چاہئیں، ہمارے نزدیک یہ انتخابات دستور کی حدود کے اندر ممکن ہیں، معاملہ چند نشستوں اور بعض شکایتوں کے ازالہ کا نہیں ہے۔

بلکہ قومی اسمبلی کے انتخاب کا ہے۔

آپ اپنی خط و کتابت اور تقریروں میں دستور کے احترام کا دم بھرتے رہے ہیں، لیکن افسوس کہ آپ کا عمل ہمیشہ اس کے برعکس رہا ہے آپ کے دور اقتدار میں ضمنی انتخابات میں جو کچھ کیا گیا ہے اس سے کون ناواقف ہے۔ خود آپ بھی بعض موقعوں پر ان میں جانے والی دھاندلیوں کا اعتراف کر چکے ہیں۔

پھر آزاد کشمیر میں جس شرمناک طریقہ پر الیکشن کرائے گئے اس سے بھی آپ کے عزائم ظاہر ہو گئے تھے۔

آپ کے اسی طرز عمل کے پیش نظر اپوزیشن کو یقین تھا کہ جو الیکشن بھی آپ کے دور اقتدار میں ہوں گے وہ آزادانہ اور منصفانہ نہیں ہو سکتے اسی لئے اپوزیشن نے بار بار مطالبہ کیا کہ الیکشن کو دستور کے مطابق بنانے کے لئے چند شرائط پوری کی جائیں۔ اُس بات کو تسلیم کرنے کی بجائے اس کا مضحکہ اڑایا گیا، اپوزیشن کو مطعون کیا گیا اور ہمارے مطالبات تسلیم کرنے سے دو ٹوک انکار کر دیا گیا۔

ہم جمہوری عمل پر یقین رکھتے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ دستور کے مطابق عوام کی آزاد مرضی سے ان کے نمائندوں کا چناؤ عمل میں آئے، اسی مقصد کے حصول کے لئے ۷ جنوری ۷۷ء کو الیکشن کے اعلان کے بعد ہم نے اُن انتخابات میں غیر مشروط حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ کیا آپ اِس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ خود آپ اور آپ کی پارٹی پچھلے پانچ برسوں سے تنہا میدان میں تھی، اپوزیشن کو عوام سے رابطہ قائم کرنے کے ہر حق سے محروم کر دیا تھا، اپوزیشن کے تمام روزناموں اور رسائل و جرائد کی اشاعت پر پابندی عائد کی گئی، آزاد اخبارات پر بھی ایسی قیود عائد کی گئیں جس کی مثال دورِ غلامی میں بھی نہیں ملتی، ریڈیو، ٹی وی اور سرکاری اخبارات کو حکومت کے حق میں جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے اور اپوزیشن

کی کردار کشی کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔ متفقہ دستور میں ایسی تبدیلیاں کی گئیں جن سے عدلیہ بے اختیار ہوئی اور خصوصی عدالتوں اور ٹریبونل نے متوازی عدلیہ کی جگہ لے لی جو عملاً انتظامیہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ شہری حقوق اور آزادیوں کو سلب کیا گیا، اپوزیشن رہنماؤں اور کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ سیاسی قتل اور اغوا کے واقعات عام ہوئے۔ خواتین تک کو جھوٹے مقدمات میں ملوث کیا گیا، ڈی پی آر اکو اپوزیشن کو کچلنے کے لئے کیا استعمال کیا جاتا رہا۔ وکلاء، طلباء، اساتذہ، مزدور اور کسانوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ملازمین کو بے بس کر دیا گیا، ہنگامی حالات نے شہریوں کو اپنے تمام دستوری حقوق سے محروم کر دیا، پورا ملک مسلسل دفعہ ۱۴۴ کی گرفت میں رہا، گزشتہ چار برس سے بلوچستان کے عوام کو ظلم کی چکی میں پیسا جا رہا ہے وہاں کے حالات اس درجہ خراب ہیں کہ ہمارے لئے وہاں انتخاب میں حصہ لینا بھی ممکن نہیں رہا۔ دیرا ور سوات میں بھی اسی طرح مظالم ڈھائے گئے۔

لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود ہم نے الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا، ۷ جنوری کو الیکشن کی تاریخوں کے اعلان کے ساتھ آپ کی طرف سے قوم کو یقین دہانی کرائی گئی کہ آپ اور آپ کی حکومت انتخابات کو آزادانہ اور منصفانہ بنانے کے لئے ہر ممکن اقدام کرے گی۔

آپ کی یہ زبانی یقین دہانی آزادانہ الیکشن کے لئے کسی طرح بھی کافی نہیں قرار دی جا سکتی تھی۔ ہم نے بار بار آپ کی توجہ مبذول کرائی کہ اگر فی الحقیقت آپ اپنے وعدوں میں مخلص ہیں، تو بلا تاخیر ایسے اقدامات کریں جن سے قوم میں اعتماد پیدا ہو اور جن کی وجہ سے انتخابات میں کی جانے والی دھاندلیوں کا فوری اور موثر سدباب ہو سکے۔ جنوری اور فروری کے آغاز میں اپوزیشن نے وضاحت کے ساتھ دو باتیں آپ کے سامنے پیش کیں۔

اولاً یہ کہ انتخابات کو آزادانہ اور منصفانہ کرانے کی ذمہ داری الیکشن کمیشن اور چیف الیکشن کمشنر پر ہے لیکن ان دونوں کو کوئی قانونی اور مالی اختیارات حاصل نہیں ہیں ایسے اختیارات کی عدم موجودگی میں یہ بالکل بے بس ہیں اور کسی طرح بھی اس قابل نہیں ہیں کہ اپنے دستوری فرائض کو پورا کر سکیں، اس لئے اگر آپ اپنے وعدہ میں مخلص ہیں تو ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے درج ذیل اقدامات اٹھائیے:

الیکشن کمیشن اور کمشنر کو ایسے قانونی اور مالی اختیارات دیئے جائیں جن کی موجودگی میں وہ اپنے دستوری فرض کو بطریق احسن پورا کر سکیں، یہاں میں آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ عوامی نمائندگی کے قانون کی منظوری کے وقت اپوزیشن کی پیش کی ہوئی ترامیم کو رد کر دیا گیا اور اس قانون کو وعدہ کے خلاف عجلت کے ساتھ اسمبلی سے منظور کرا لیا گیا،

ثانیاً یہ کہ الیکشن کمشن اور کمشنر کو اختیار دیا جائے کہ اگر وہ ضرورت محسوس کریں تو صدر پاکستان سے دستور کے آرٹیکل ۲۴۵ کے مطابق یہ درخواست کر سکیں کہ سول انتظامیہ کی مدد کے لئے افواج پاکستان کو جب اور جہاں ضرورت محسوس ہو الیکشن کو آزادانہ اور منصفانہ بنانے کی خاطر طلب کر لیا جائے۔

الیکشن میں ملک گیر دھاندلیوں کے بعد تو آپ بظاہر بڑی فیاضی کے ساتھ چیف الیکشن کمشنر کو مزید اختیارات بذریعہ آرڈی ننس دے رہے ہیں لیکن افسوس کہ جب ایسا کرنے کا صحیح وقت تھا اس موقعہ پر آپ نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس وقت ایسا کرنا آپ کے ان منصوبوں کو بڑی حد تک ناکام بنا سکتا تھا، جن پر آپ عمل کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔

سرکاری پارٹی کے مقابلہ میں حزب اختلاف کے امیدواروں کے کاغذات

نامزدگی داخل کرانے میں جس طرح رکاوٹیں پیدا کی گئیں، امیدواروں اور ان کے
تجویز اور تائید کنندگان کو اغوا کیا گیا اس نے آپ کے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات
کرانے کے دعووں کا پول کھول دیا، وزیراعظم اور چاروں وزرائے اعلیٰ ناجائز طریقے
سے بلا مقابلہ منتخب قرار دے دیئے گئے، اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے
کہ حکومت نے الیکشن کی ابتدا ہی دھاندلی سے کی ہے،،

پھر انتخابی مہم کے دوران نہایت دیدہ دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ ملک کا
خزانہ، وسائل، ٹرانسپورٹ، سرکاری ملازمین، قومیائے ہوئے ادارے، ریڈیو،
ٹی وی اور سرکاری اخبارات کو پیپلز پارٹی کے لئے استعمال کیا جاتا رہا، ہائی کورٹ
کے واضح فیصلے کے بعد بھی ریڈیو اور ٹی وی نے اپنے رویہ میں تبدیلی نہیں کی،
پرائم منسٹر ہاؤس عملاً پیپلز پارٹی کا دفتر بنا دیا گیا اور پارٹی سرکلر بذریعہ ڈاک بھیجنے
کے لئے سروس سٹیمپ استعمال کئے جاتے رہے، ہم بار بار اس صورت حال پر
احتجاج کر رہے تھے لیکن کوئی شنوائی نہ ہوئی، آپ کا ایسا کرنا یقیناً اس حلف
کے خلاف تھا جو آپ نے اپنے عہدہ پر فائز ہوتے وقت اٹھایا تھا،،

انتخابات کے انعقاد کے اعلان کے بعد بھی بڑے پیمانے پر سرکاری
ملازمین کے تبادلے کئے جاتے رہے، پیپلز پارٹی کے امیدوار جگہ جگہ کہتے
تھے کہ عوام ووٹ چاہے جسے دیں لیکن کامیاب ہم ہی ہوں گے، آپ کے امیدواروں
اسی لئے توقع یہ انتخابی مہم میں خاطر خواہ دلچسپی نہیں لے رہے تھے، آپ نے جس
طرح جلسے منعقد کئے یا جلوسوں کا انتظام کیا، ان کی نوعیت سے آپ خود بھی
واقف ہیں اور پوری قوم بھی آگاہ ہے،

اپوزیشن کے رہنما بدستور جیلوں میں بند رہے بلکہ نئی گرفتاریاں
عمل میں آتی رہیں، ریڈیو ٹی وی ہماری کردارکشی کرتا رہا، غلط اور جھوٹا پروپیگنڈہ

میں تمام سابقہ ریکارڈ انہوں نے توڑ ڈالے"،

آپ کتنے ہی حسین الفاظ میں اسے جھٹلانے کی کوشش کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ۷ مارچ کو قومی اسمبلی کے انتخاب میں جو ملک گیر غنڈہ گردی، دھاندلی اور بے ایمانی کی گئی ہے، اس نے الیکشن کو محض ڈھونگ بنا ڈالا، الیکشن کمشن کے تینوں ممبران نے اسلام آباد میں کی جانے والی اپنی ۱۲ مارچ کی پریس کانفرنس میں خود اس حقیقت کا اعتراف کر لیا کہ اس روز کی جانے والی بدعنوانیوں، ڈھاندلیوں، فریب کاریوں اور غیر قانونی حرکات کے ارتکاب کے خلاف پورے ملک سے وصول ہونے والی شکایات سے ان کا دفتر بھرا پڑا ہے، پھر چیف الیکشن کمشنر نے اپنے ۱۹ مارچ کے مراسلہ میں جو انہوں نے آپ کو تحریر کیا ہے، اس بات کا اعادہ کیا کہ انہیں ایسی شکایات بہت بڑی تعداد میں پورے ملک سے موصول ہوئی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ۷ مارچ کو قانون کی دھجیاں بکھیری گئیں شدید ترین بدعنوانیوں کا ارتکاب ہوا اور انتخابات کے نتائج کو بدلا اور مسخ کیا گیا، خود آپ نے اپنے براڈ کاسٹ میں وفاقی وزراء اور اپنی پارٹی کے کارکنوں کی انتخابی بدعنوانیوں کا اظہار کیا، کمیشن کا از خود بہت سے حلقہ ہائے انتخابات سے ریکارڈ کا طلب کرنا بھی اس کی شہادت دیتا ہے کمشن نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ وہ بدعنوانیوں کے خلاف کوئی اقدام کرنے کے قابل تھے ہی نہیں۔ پاکستان کے کروڑوں عوام اس دھاندلی کے عینی شاہد ہیں اس لئے آج پوری قوم سراپا احتجاج بنی ہوئی ہے،

پاکستان کے عوام کا یہ ناقابل تنسیخ حق ہے کہ وہ اپنی آزاد مرضی سے اپنے نمائندوں کا انتخاب عمل میں لائیں ۷ مارچ کو قومی اسمبلی کے انتخاب کے موقع پر آپ نے اور آپ کے رفقاء نے غیر دستوری اور غیر قانونی طور پر اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کیا، انتظامیہ کو اپنے مذموم عزائم کی تکمیل پر مجبور کیا، الیکشن میں اتنے

بڑے پیمانے پر دھاندلی کی کہ پورا انتخاب بے معنی ہو کر رہ گیا، آج قوم اپنا یہی حق مانگ رہی ہے اور اس کا یہ مطالبہ بالکل حق بجانب ہے کہ قومی اسمبلی کے انتخابات بلا تاخیر از سر نو کرائے جائیں،،

آپ نے اپنے مذکورہ خط کے پیراگراف چار میں یہ کہہ کر بڑی زیادتی کی ہے کہ اتحاد ۸/ مارچ سے غیر آئینی سرگرمیوں میں ملوث ہے اور آپ بڑے صبر اور تحمل کا مظاہرہ کر رہے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جدوجہد مکمل طور پر پُرامن اور آئینی ہے لیکن اسے غیر انسانی ظالمانہ اور بہیمانہ طور پر تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، سینکڑوں بے گناہ پُرامن شہری جان بحق ہو چکے ہیں، ہزاروں افراد شدید زخمی ہوتے ہیں، جیلیں ہمارے کارکنوں سے مسلسل بھری جا رہی ہیں، معزز شہریوں کو سر بازار برہنہ کر کے پیٹا جا رہا ہے، آنسو گیس کا بے استعمال کیا جا رہا ہے گیس بھی ایسی جو اس سے قبل کبھی پاکستان میں استعمال نہیں ہوتی، بعض مقامات پر بچوں اور خواتین تک کو گولیوں کا نشانہ بنا کر ہلاک کر ڈالا گیا، اب خبریں موصول ہو رہی ہیں کہ مختلف تعصبات کو ہوا دی جا رہی ہے، اتحاد کے رہنماؤں کو بغیر وجہ بتائے گھروں سے گرفتار کر لیا جاتا ہے اور اس سب کے باوجود آپ کا فرمانا ہے کہ آپ صبر اور تحمل کا مظاہرہ کر رہے ہیں، میں اس بات کو ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ ہم نے تمام اشتعال انگیزیوں کے باوجود اس تحریک کو آئین اور قانون کی حدود میں اب تک جاری رکھا ہے،،

قیمتوں میں اضافہ کا الزام آپ ہم پر اس سے قبل بھی عائد کر چکے ہیں، مجھے معلوم ہے کہ یہ حقیقت تسلیم کرنا آپ کے لئے نہایت مشکل ہے کہ ملک کی موجودہ معاشی مشکلات کا سبب خود آپ کی غلط اقتصادی پالیسیاں، تعیش اور ملکی دولت کا غیر پیداواری کاموں میں ضائع کرنا ہے مجھے خوشی ہو گی اگر

آپ یہ بتانے کی زحمت گوارا کریں کہ اپنی پارٹی کی انتخابی مہم پر خود آپ نے قوم کا کتنا سرمایہ صرف کیا ہے اور کس دستوری اختیار کے تحت آپ نے قومی وسائل کو اپنی پارٹی مقاصد کے حصول کیلئے استعمال کرنا جائز سمجھا، کاش آپ الزام تراشی کی روش ترک کر کے اصل معاملہ کو سمجھنے، حقائق کو تسلیم کرتے اور مسائل کو موثر طور پر حل کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتے،،

شکایات کے ازالہ کا جو حل آپ نے اپنے خط میں تجویز کیا ہے وہ قوم کے لئے قابل قبول نہیں ہے ہمارے نزدیک معاملہ چند نشستوں یا بہت سی نشستوں کا نہیں ہے، بلکہ پورے انتخاب کا ہے، ہم ۷ مارچ کے پورے انتخاب کو قوم کے ساتھ ایک سنگین مذاق سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان نشستوں سے بھی دستبرداری کا اعلان کر دیا ہے جہاں سے اتحاد کے امیدواروں کو منتخب قرار دیا گیا ہے، ہمارے نزدیک اصل بات یہ ہے کہ عوام کو اپنی مرضی سے اپنے نمائندوں کو منتخب کرنے کا حق دیا جائے، ہماری جدوجہد عوام کے اس بنیادی حق کو منوانے کے لئے ہے، نہ کہ ہم نشستوں کے حصول کے لئے کوئی سودا بازی کرنا چاہتے ہیں، انتخاب کا مطالبہ صرف قومی اتحاد کا مطالبہ نہیں ہے، پوری قوم کا مطالبہ ہے۔ ملک کی تقریباً تمام وکلاء تنظیمیں اس مطالبہ کی توثیق کر چکی ہیں۔ عدلیہ سے تعلق رکھنے والے معزز اصحاب اس کی تائید کر رہے ہیں، میں پورے اخلاص اور دردمندی کے ساتھ آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ آئین کی بالادستی، ملک کے استحکام جمہوری اقدار کے تحفظ اور معاشی خوشحالی کی خاطر آپ اپنی روش میں تبدیلی پیدا کریں اور وطن عزیز کو اپنے پیدا کردہ سیاسی بحران سے نکالنے کی مخلصانہ کوشش فرمائیں ۔

آپ کا ہر خط ملنے کے ساتھ ہی مجھے ملک کے مختلف حصوں سے ایسی اطلاعات

ملنا بھی شروع ہو جاتی ہیں کہ تشدد اور ظلم کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ خط و کتابت کے ساتھ انتظامیہ کو زیادہ سخت رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کس مقصد کے لئے دی جاتی ہے :

قومی اتحاد کا موقف بالکل واضح ہے، اگر آپ ہمارے ۱۲/ مارچ کو پیش کئے ہوئے مطالبات کو تسلیم کر لیں تو ان مطالبات کو موجودہ دستور کے اندر رہتے ہوئے پورا کرنے کے طریقۂ کار پر ہم آپ سے ہر وقت، ہر جگہ بات چیت کرنے پر آمادہ ہیں، مجھے یقین ہے کہ ہمارے مطالبات پر عمل کرنے کے لئے دستور میں کسی تبدیلی کی ضرورت پیش نہیں آئے گی،

آپ نے اپنا ۱۹/ مارچ ۷۷ء کا خط جواب کا انتظار کئے بغیر پریس کو برائے اشاعت جاری کر دیا تھا اس لئے میں اپنا یہ جواب بھی پریس کو جاری کر رہا ہوں"

آپ کا مخلص

مفتی محمود

صدر

" پاکستان قومی اتحاد "

مفتی محمود کا صدرِ مملکت کو خط

۲۴، ڈیوس روڈ لاہور
مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۷۷ء

مکرمی صدر پاکستان!

مَیں ۲۴ مارچ ۱۹۷۷ء کے اس خط کی نقل ملفوف کر رہا ہوں جو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ارسال کیا گیا ہے، اس خط سے آپ کو معلوم ہو گا کہ مسٹر بھٹو نے ذاتی مفاد کی خاطر اپنے عہدے کے حلف کی خلاف ورزی اور اپنے سرکاری اختیارات کا بے جا استعمال کرتے ہوئے انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلی کرائی اور پھر پاکستانی عوام جو ووٹوں میں ہونے والے کھلے فراڈ کے خلاف پُرامن مظاہرہ اور آزادانہ منصفانہ انتخابات کے جمہوری حق کا مطالبہ کر رہے ہیں ان پر انتہائی وحشیانہ اور انسانیت سوز مظالم ڈھا کر انہوں نے ایک ایسی سنگین صورت حال پیدا کر دی ہے، جو عوام الناس کی سلامتی اور آزادی اور پاکستان کے قوانین کے لئے شدید ترین خطرات کا موجب ہے، صریح دھاندلی کے حربوں سے منتخب قرار دیئے جانے والے افراد پر مشتمل "قومی اسمبلی" کا اجلاس طلب کیا جانا بذاتِ خود دستور کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔

صدر مملکت جو آخری آئینی اتھارٹی ہے اور اس قسم کے ہنگامی حالات میں قدم اٹھانے کا جبلی اختیار رکھتا ہے، ان نازک حالات میں اس کے لئے واحد آئینی چارہ کار یہ ہے کہ وہ ایسی انتظامیہ کے تحت اور ایک ایسی مشینری کے

ذریعہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے از سرِ نو انتخابات کا حکم جاری کرے جن سے از روئے آئین اس بات کا حتمی یقین حاصل ہو کہ یہ انتخابات بالفاظِ آئین ایماندارنہ، منصفانہ، دیانت دارانہ اور قانون کے عین مطابق منعقد ہوں گے اور جن سے ہر قسم کی بدعنوانیوں کا مکمل سدِ باب ہو سکے گا" مسٹر بھٹو اور ان کی کابینہ نے اپنے سرکاری اختیارات کے بے جا استعمال سے واضح کر دیا ہے کہ ریاست کے انتظامی اختیارات کے معاملے میں اب ان پر مطلق اعتماد نہیں کیا جا سکتا، موجودہ الیکشن کمشن نے بھی اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے معاملے میں اپنے آپ کو نااہل ثابت کر دیا ہے جو اسے آئین کے تحت سپرد کی گئی تھی"

ہمارے وطن عزیز کے عوام کے المناک مصائب میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا ہے، یہ مصائب مسٹر بھٹو اور ان کی جابرانہ حکومت کی طرف سے بے قصور عوام پر روا رکھے جا رہے ہیں جو اپنے لئے آزادانہ رائے دہی کا بالکل بنیادی حق طلب کر رہے ہیں اور بے نظیر جرأت و ہمت اور اس عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں کہ جب تک وہ حق انہیں حاصل نہیں ہو جاتا کسی کے دبائے دب نہیں سکتے، مسٹر بھٹو یہ سب کچھ محض اس لئے کر رہے ہیں کہ اقتدار سے چمٹے رہیں، وہ آئین کے الفاظ اور اس کی روح دونوں ہی کی خلاف ورزی کر رہے ہیں درانحالیکہ وزیراعظم کے عہدے پر فائز رہنے کا تمام تر آئینی حق ۸ مارچ ۱۹۷۷ء سے کھو بیٹھے ہیں"

میں آپ سے نہایت مخلصانہ التماس کرتا ہوں کہ اپنے جبلّی آئینی اختیار کو جلد از جلد بروئے کار لاکر غیر جانبدار انتظامیہ کے تحت اور ایک ایسے الیکشن کمشن کے ذریعہ از سرِ نو انتخابات منعقد کرنے کا حکم جاری فرمائیں جو ان انتخابات میں اعلیٰ انصاف اور دیانت کے ضامن ہونے کی اہلیت اور اس کا اختیار رکھتا ہو، دوبارہ

عرض ہے کہ موجودہ حالات میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے حفظ وبقا اور اس کے دفاع کا یہی ایک واحد راستہ کھلا رہ گیا ہے ،

آپ کا مخلص
مفتی محمود
صدر پاکستان قومی اتحاد

قرارداد، پاکستان قومی اتحاد
۲۴ - مارچ

۳۲، ڈیوس روڈ لاہور
مورخہ ۲۴ / مارچ ۱۹۷۷ء

پاکستان قومی اتحاد کی جنرل کونسل نے قومی تحریک کی پیش رفت کا جائزہ لیا جو ۷/ مارچ اور ۱۰/ مارچ کے پُرفریب انتخابات کے خلاف شروع ہوئی ہے، کونسل نے غور و خوض کے بعد یہ رائے قائم کی کہ ایماندارانہ، منصفانہ اور دیانت دارانہ الیکشن کا بنیادی حق حاصل کرنے کے لئے عوام متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، جبراً نافذ کردہ دفعہ ۱۴۴ کو توڑنے کے لئے عام جلسوں اور جلوسوں کے ذریعہ عوام نے جس وسیع پیمانے پر اور جس جوش و خروش کے ساتھ مظاہرے کئے ہیں اور جو ملک گیر ہڑتالیں ہوئی ہیں، اس کی نظیر صرف اس تحریک میں ملتی ہے جو قیام پاکستان کے لئے چلائی گئی تھی، کراچی، حیدرآباد، نواب شاہ، سکھر، ملتان، گوجرانوالہ، لائل پور، لاہور، گوجرہ، پشاور، دیر، سوات، کوئٹہ، کمالیہ، سمندری اور بورے والا کے شہریوں کی قربانیاں ہر محب وطن کے لئے ولولہ انگیز ثابت ہوئی ہیں، بلوچستان، سرحد، سندھ، اور پنجاب کے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کے بہادر عوام نے فیڈرل سیکورٹی فورس اور پولیس کے عدیم النظیر تشدد کے مقابلے میں اپنی ہمت اور بے لچک عزیمت کو ثابت کر دکھایا ہے، دوسری طرف بھٹو شاہی کی سفاکی بھی ان تمام حدود سے تجاوز کر گئی ہے، جنہیں مہذب حکومتیں ملحوظ رکھتی ہیں، فیڈرل سیکورٹی فورس اور پولیس نے مسجد کے تقدس کو بھی پامال کیا، انہوں نے مسجد میں گھس کر نمازیوں کو نہایت بے دردی

سے مار اپیٹا، مسجد میں آنسو گیس کے گولے پھینکے، اندھا دھند گولیوں کی بوچھاڑ کی اور مختلف محلوں میں گھومنے پھرنے والے بوڑھوں، عورتوں اور بچوں تک کو موت کے گھاٹ اتارا، انہوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے چاری عورتوں کو مار اپیٹا، پُرامن مظاہرین پر گولیاں برسانے کا جواز فراہم کرنے کے لئے دکانیں لوٹیں اور گاڑیوں کو نذرِ آتش کیا، آغازِ تحریک سے اب تک سو سے زیادہ شہریوں کو وہ ہلاک کر چکے ہیں، دس ہزار سے زائد افراد جیلوں میں ٹھونسے جا چکے ہیں ان کے ہاتھوں شدید طور پر زخمی ہونے والے سینکڑوں افراد ہسپتالوں میں پڑے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں، مظاہرین کو منتشر کرنے کے لئے ان ظالموں نے ایسی گیس استعمال کی ہے جو مہذب ریاستوں میں کہیں بھی استعمال نہیں ہوئی، وحشت و بربریت کی ان کارروائیوں سے مسٹر بھٹو اور ان کی تاناشاہی کے خلاف لوگوں کی نفرت اور بھی شدید ہو گئی ہے اور ان کے اس عزم میں سختی پیدا ہو گئی ہے کہ جب تک اپنی سرزمین کو ان غاصبوں کے چنگل سے چھڑا نہیں گے اپنی جدوجہد میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے،،

اس تاریخی جدوجہد میں حصہ لینے والے محب وطن شہریوں کی اسلام دوستی، قومی حریت کے لئے ان کی دلی لگن اور ان کے نظم و ضبط اور اتحاد کے مظاہرے سے کونسل بے حد متاثر ہے اور اس تاثر کے ساتھ اپنے اس عزم کا ایک بار پھر اعلان کرنا چاہتی ہے کہ جن لوگوں نے قوم کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہے اور قوم کے خزانے سے تنخواہ پانے والے سورماؤں کو پُرامن شہریوں، مردوں، عورتوں اور بچوں کی ہلاکت اور اذیت کے لئے استعمال کیا ہے انہیں شکست دینے کی کوششوں میں کوئی ڈھیل پیدا نہیں ہونے دی جائے گی، کونسل اپنے تین نکاتی مطالبے سے ذرا بھی پیچھے نہیں ہٹے گی، یعنی یہ کہ،،

۱ :- مسٹر بھٹو وزیر اعظم کے عہدے سے مستعفی ہو جائیں
۲ :- ایک نیا الیکشن کمشن مقرر کیا جائے جسے قوم کا اعتماد حاصل ہو
اور ۳ :- عدلیہ اور مسلح افواج کے تعاون سے از سر نو انتخابات منعقد کرائے جائیں"

کونسل اپنا موقف پھر دہرانا چاہتی ہے کہ یہ اس قومی اسمبلی کو پاکستان کی قانونی اسمبلی کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتی جس کا اجلاس ۲۶ مارچ ۱۹۷۷ء کو طلب کیا گیا ہے اور یہ کہ اس کے فیصلوں کو کوئی آئینی جواز حاصل نہیں ہوگا، لہذا یہ اسمبلی جس وزیر اعظم اور اس کی حکومت کو منتخب کرے گی اسے بھی کوئی قانونی اختیار حاصل نہ ہوگا۔

کونسل قوم کو مبارک باد پیش کرتی ہے اور اس تحریک کے شہداء ان کے رشتہ داروں اور ان تمام لوگوں کو جو زخمی ہوئے اور قید میں ڈالے گئے، یا جن کی جائیداد کا نقصان ہوا خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔ فتح و کامرانی کی منزل کی طرف ہماری پیش قدمی جاری رہنی چاہیئے۔

نصر من اللہ و فتح قریب

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کا سوانحی خاکہ

(۱) ولادت ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء۔

(۲) پنیالہ سے ۱۹۳۴ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا۔

(۳) دیوبند اور مراد آباد میں ۱۹۳۶ء میں تعلیم حاصل کی۔

(۴) مراد آباد ۱۹۳۷ء میں الیکشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ایک کارکن کی حیثیت سے تقریر کی۔

(۵) ہندوستان چھوڑ دو" تحریک میں ۱۹۴۲ء میں حصہ لیا۔

(۶) ۱۹۴۳ء میں آپ نے حضرت مدنی صاحب کے ساتھ سرحد کا دورہ کیا۔

(۷) اباخیل میں آنے کے بعد ۱۹۴۵ء میں ضلع بنوں کے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔

(۸) آل انڈیا جمعیۃ علماء کی تاریخی کانفرنس میں سرحد کے نمائندے کی حیثیت سے ۱۹۴۶ء سہارنپور میں شریک ہوئے۔

(۹) مفتی صاحب کی شادی ایک دینی گھرانے عبدلخیل کے گاؤں میں ۱۹۴۶ء میں ہوئی۔

(۱۰) علامہ شبیر احمد عثمانی کے دور میں جمعیت علماء اسلام کے کنونشن میں ۱۹۴۹ء میں شرکت کی۔

(۱۱) ۱۹۵۰ء میں آپ قاسم العلوم تشریف لائے۔

(۱۲) ۲۲ نکاتی خاکہ میں ۱۹۵۱ء میں اہم کردار ادا کیا۔

(۱۳) جمعیت علماء کے دوسرے کنونشن میں ۱۹۵۲ء میں شرکت کی۔

(۱۴) تحریک ختم نبوت میں حصہ اور گرفتاری ۱۹۵۳ء۔

(۱۵) ۱۹۵۵ء میں آپ شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

(۱۶) پاکستان کے پہلے آئین پہ غور کرنے کے لئے علماء کے کنونشن ۱۹۵۶ء میں شرکت کی۔

(۱۷) ۱۹۵۶ء میں ون یونٹ پر تنقید کرنے پر گرفتاری ۔
(۱۸) حضرت لاہوری کے حکم پر ملتان میں اجلاس طلب کیا ۱۹۵۶ء ۔
(۱۹) ۱۹۵۸ء میں ۱۹۵۶ء کے دستور پر تنقیدی تقریر کی ۔
(۲۰) وفاق المدارس کی نظامت علیا ۱۹۵۹ء ۔
۲۰ ۱۹۶۰ء میں معظم گاؤں میں ان کی دوسری شادی ہوئی ۔
(۲۱) ۱۹۶۱ء میں آپ کو پہلا حج کرنے کا موقع ملا ۔
(۲۲) ڈیرہ اسماعیل خان سے ۱۹۶۲ء میں قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا ۔
(۲۳) قومی اسمبلی میں عائلی قوانین پر تنقیدی تقریر ۱۹۶۲ء ۔
(۲۴) ۱۹۶۳ء میں عائلی قوانین کی تنسیخ کے لئے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا ۔
(۲۵) جامعہ ازہر کے اجلاس میں شرکت ۱۹۶۳ء ۔
(۲۶) قومی اسمبلی کے ڈھاکہ کے اجلاس میں ۱۹۶۴ء ۔
(۲۷) قاہرہ میں اسلامی ملکوں کی کانفرنس میں شرکت ۱۹۶۵ء ۔
(۲۸) متحدہ اسلامی محاذ کی تشکیل ۱۹۶۶ء ۔
(۲۹) مشینی ذبیحہ کے بارے میں معرکۃ الآرا فتویٰ ۱۹۶۷ء ۔
(۳۰) جشن ملتان پر گرفتاری ۱۹۶۷ء ۔
(۳۱) بین الاقوامی اسلامی کانفرنس راولپنڈی میں شرکت ۱۹۶۸ء ۔
(۳۲) ۱۹۶۸ء میں جمعیت علماء اسلام کے ناظم عمومی چنے گئے ۔
(۳۳) متحدہ دینی محاذ کا قیام ۱۹۷۰ء ۔
(۳۴) ڈیرہ اسماعیل خان سے عام انتخابات میں بھٹو کو شکست ۱۹۷۰ء ۔
(۳۵) قاہرہ میں کانفرنس میں شرکت ۱۹۷۱ء ۔
(۳۶) آئینی بحران کے حل کے لئے ڈھاکہ میں شیخ مجیب الرحمن سے ملاقات ۱۹۷۱ء ۔

(۳۷) سہ جماعتی معاہدہ (جمعیت، نیپ، پی پی پی) مارچ ۱۹۷۲ء

(۳۸) یکم مئی ۱۹۷۲ء میں صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے

(۳۹) یکم مئی ۱۹۷۲ء میں صوبہ سرحد میں شراب پر پابندی لگائی

(۴۰) ۱۹۷۳ء میں آئین پر دستخط کیئے

(۴۱) ۱۵ فروری ۱۹۷۳ء میں وزارت اعلیٰ سے استعفیٰ دیا،

(۴۲) ۱۹۷۳ء میں حمود الرحمان کمیشن کو بیان دیا

(۴۳) ۱۹۷۴ء میں قادیانیت کے خلاف حضرت مولانا یوسف بنوری کی قیادت میں تحریک چلائی

(۴۴) ۱۹۷۴ء میں اسمبلی میں ختم نبوت کا مسئلہ پیش کیا -

(۴۵) قومی اسمبلی میں ۱۹۷۴ء میں حزب اختلاف کے قائد بنے

(۴۶) ۱۹۷۵ء میں آپ مدرسہ قاسم العلوم کے مہتمم منتخب ہوئے،

(۴۷) ۱۹۷۷ء پاکستان قومی اتحاد کا قیام اور صدارت

(۴۸) ۱۹۷۷ء دھاندلی کے باوجود الیکشن میں کامیابی

(۴۹) ۱۹۷۷ء تحریک نظام مصطفیٰ کی قیادت

(۵۰) ۱۹۷۸ء قومی اتحاد کا اسلامی نظام کے لئے مارشل لا حکومت سے تعاون

(۵۱) ۱۹۷۹ء مارشل لا حکومت سے علیحدگی

(۵۲) ۱۹۷۹ء سعودی حکومت کی دعوت پر مقابلہ حسن قرأت کانفرنس میں شرکت

(۵۳) ۱۹۸۰ء دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ جشن میں شرکت کی

(۵۴) ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو آخری سفر حج کے موقع پر کراچی میں وصال -

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۞